مکمل ناول

نبیلہ ابر راجہ

میں گمان نہیں یقین ہوں

ساتویں قسط

زیان کی آنکھوں میں غصہ جاگا۔ اسے ملک ایبک کا اس وقت مخل ہونا بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔

"جی کہیے۔ کیا بات ہے۔" اس کا لہجہ خشک اور سرد تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایبک نے کچھ فیصلے "آنا فانا" کیے ہیں۔ اس کا چہرا بے حد سنجیدگی کے حصار میں لپٹا ہوا تھا۔ اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

"زیان آپ کو اچھی طرح علم ہے کہ معاذ کم دنوں کے لیے پاکستان آیا ہے۔ بابا جان اور امی کی مرضی ہے کہ معاذ کی چھٹیاں ختم ہونے سے پہلے ہماری شادی ہو جائے۔ خود معاذ بھی چاہتا ہے کہ شادی اٹینڈ کر کے جائے۔ میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ عنیزہ چچی سے اجازت لی ہے' باقاعدہ آپ سے بات کرنے یہاں تک آنے کی۔" وہ اس کی مسلسل خاموشی سے تنگ آکر وضاحت دینے لگا۔

"آپ کو کسی قسم کا اعتراض تو نہیں؟" وہ اب بطور اس کے تاثرات جانچ رہا تھا۔ ایبک اسے منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میکانکی انداز میں زیان کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔ حالانکہ دماغ مسلسل انکار پہ اکسا رہا تھا۔ پر دل نے دماغ کو شکست دے دی۔ ایبک کو ایسے محسوس ہوا جیسے زیان کی روئی روئی آنکھیں مسکرائی ہوں۔

"ٹھیک ہے' پھر اب شادی کے دن ہی آپ سے ملاقات ہوگی۔" جاتے جاتے اس نے شریر جملہ اچھالا۔ وہ جا رہا تھا ابھی ابھی زیان پہ اس کی ایک خوبی عیاں ہوئی تھی۔ وہ قائل کرنے کی' منوانے کی صلاحیت سے مالا مال تھا۔

☆ ☆ ☆

عنیزہ بے قراری سے میٹنگ روم کے چکر لگا رہی تھیں۔ ایبک اوپر زیان کے کمرے میں گیا ہوا تھا۔ کچھ منٹ بعد وہ کھڑکی کے شیشوں سے سیڑھیاں اترتا نظر آیا تو وہ اٹھ کر دروازے تک پہنچ گئیں۔

"ایبک اتنے جلدی کیوں آگئے ہو؟" انہوں نے دروازے پہ ہی اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"چچی' زیان کو جلد شادی پہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ایبک نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے مژدہ جاں فزا سنایا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" عنیزہ نے بے اختیار شکر ادا کیا۔

"ایبک میری بیٹی نے مجھ سے دور رہ کر زندگی گزاری ہے اور میں تصور کر سکتی ہوں کہ ماں کے بغیر وہ زندگی کیسے ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ تلخ ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے وہ بے رخی کا برتاؤ کرتی ہے تو تم پریشان مت ہوا کرو' نظر انداز کر دیا کرو۔ ہم سب ایک طرح سے اس کے لیے اجنبی ہی ہیں' اسے گھلنے ملنے میں ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا؟" وہ آس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"چچی آپ فکر مت کریں۔ میں ان سب باتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔" اس نے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بھرپور یقین دلایا تو عنیزہ کے ہونٹوں پہ پرسکون مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

ملک جہانگیر بہت خوش تھے اور معاذ کی خوشی تو حد سے سوا تھی' ورنہ وہ ایبک بھائی کی طرف سے شادی مؤخر کرنے کے فیصلے سے خوش نہیں تھا۔ ایبک نے سختی سے ہر قسم کے جہیز کے لیے منع کردیا تھا۔ بیڈ روم فرنیچر اس نے خود پسند کیا تھا۔ باقی پردے' قالین' کلر اسکیم زیان کی پسند کی تھی۔

ان دونوں میں ملک ایبک کا انکار موضوع گفتگو بنا ہوا تھا۔ نہناں بھی ان کی باتیں پاس بیٹھی غور سے سن رہی تھی۔

"ایبک بے شک انکار کرتا رہے' ہم اپنی بیٹی کو ہر چیز دیں گے۔" یہ ارسلان تھے۔ ایبک کے منع کرنے کے باوجود زیان کو بہت کچھ دینا چاہ رہے تھے۔

"اس نے دو ٹوک منع کر دیا ہے' ایسا نہ ہو وہ اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لے۔ ویسے بھی اس نے زیان کے لیے سب کچھ خرید لیا ہے۔ صرف ولیمہ کا جوڑا باقی ہے۔ وہ بھی ایک دو دن تک مل جائے گا۔" عنیزہ نے ملک ارسلان کی توجہ اس طرف دلائی تو وہ کچھ سوچنے لگے۔

"ہاں بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ ایبک اصولوں اور بات کا کھرا آدمی ہے' نہیں مانے گا۔" کچھ توقف کے بعد وہ بولے اور عنیزہ کی بات کی تائید کی۔

"میں بہت خوش ہوں' میری بیٹی کو ایبک جیسا ہم سفر مل رہا ہے۔ میرے رب نے اتنی خوشیاں میری جھولی میں ڈالی ہیں۔ میں تمام عمر شکر ادا کرتی رہوں تو بھی کم ہے۔" جذبات میں انہوں نے پاس بیٹھی نہناں کی موجودگی نظرانداز کر دی تھی۔ ارسلان بھی بھول گئے تھے کہ نہناں ادھر موجود ہے۔ اس کے کان ان دونوں کی گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔ ملک ارسلان کی نگاہ اس پہ پڑی تو انہوں نے بہانے سے اسے وہاں سے ہٹا دیا۔

"ایک کپ چائے کا مل جائے تو۔۔۔"

"جی ابھی بنواتی ہوں۔" وہ سعادت مندی سے بولی اور باہر آگئی۔ وہ دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھی' سماعتیں اندر سے آنے والی آوازوں کی سمت لگی تھیں۔ ملک ارسلان' عنیزہ کو تسلی دے رہے تھے۔ کسی کے قدموں کی آہٹ اسی طرف آتی محسوس ہو رہی تھی' نہناں فوراً" دروازے سے ہٹ کر آگے بڑھ گئی۔ زیبو نے چائے بنادی تھی' نہناں خود لے کر واپس آئی۔ اندر داخل ہونے سے پہلے وہ چند لمحے کے لیے دروازے پہ ہی ٹھہر گئی۔ ایبک اور زیان کی شادی کا موضوع چل رہا تھا۔ وہ ٹرے سمیت اندر داخل ہوئی۔

"ایبک بہت خوددار ہے۔" یہ عنیزہ تھیں۔

"ہماری بیٹی کو اللہ نے بہترین ہم سفر دیا ہے۔" ملک ارسلان کے لہجے میں ہماری بیٹی کہتے وقت عجیب سی مٹھاس اور اپنائیت اتر آئی تھی۔ نہناں ان ہی کی طرف متوجہ تھی۔

☆ ☆ ☆

آج اسے ذرا بھی بھوک نہیں تھی۔ سر میں درد الگ ہو رہا تھا۔ وہ طبیعت میں سستی کی وجہ سے جلدی اپنے کمرے میں آگئی۔ وہ ملک ارسلان اور عنیزہ کی باتوں پہ غور کر رہی تھی۔ ان کی گفتگو سے نہناں نے ایک نتیجہ نکالا تھا کہ زیان پہلے سے حویلی میں نہیں تھی۔ اس سے پہلے وہ کہاں تھی۔ اس بارے میں وہ لاعلم تھی۔ نہناں کو یقین تھا' وہ ان دونوں سوالوں کے جواب حاصل کر لے گی۔

نہناں سوچ رہی تھی کہ زیان کے بارے میں کیسے' کس سے اور کس طرح معلومات حاصل کی جاسکتی ہے۔ فی الحال تو ملک ایبک اور زیان کی شادی اس کے لیے شاک کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ملک ایبک بالکل ویسا ہی تھا جیسا وہ ڈھونڈ رہی تھی۔ واہ ری قسمت تیرے کھیل۔

اس کا مطلوبہ شخص ایبک اور حیثیت میں اسے ملا تھا اور وہ اپنی ضد میں گھربار' عیش و آرام' ناز و نعم سب چھوڑ آئی تھی۔ اسے ایسا شخص مل کے نہیں دے رہا تھا۔ لیکن یہ ہی شخص' کسی اور کو بغیر کسی ضد کے بن مانگے مل رہا تھا۔

زیان کو تو کچھ چھوڑنا بھی نہیں پڑا تھا۔ زیان جیسی مغرور بددماغ لڑکی جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی بھی کیا ملک ایبک جیسا شاندار مرد اس کے لائق تھا یا وہ اس قابل تھی کہ ملک ایبک کے خواب بھی دیکھ سکے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" ان تمام سوالوں کے جواب میں کوئی بڑے زور و شور سے نہناں کے اندر چیخا تھا۔

☆ ☆ ☆

ملک جہانگیر نے ایبک کے لیے مختص رہائشی حصے کو نئے سرے سے آراستہ کروایا تھا۔ ایبک اور زیان کا بیڈ روم نئے اور قیمتی فرنیچر سے سجایا گیا تھا۔ انسپکشن کے لیے معاذ خاص طور پر نہناں کو لے کر آیا۔ نہناں آراستہ و پیراستہ بیڈ روم کو غور سے دیکھ رہی تھی' آنکھوں میں رشک و حسد کے ملے جلے جذبات تھے۔ معاذ حسب معمول بول رہا تھا۔

"زیان بی بی پہلے شہر میں رہتی رہی ہیں کیا؟" نہناں

نے عام سے انداز میں سوال کیا۔

"آف کورس بھابھی' پہلی بار حویلی آئی ہیں۔" معاذ اپنی دھن میں بول رہا تھا۔

"اکچوئیلی! ارسلان چچا' ذیان بھابھی کے سوتیلے ابو ہیں۔" معاذ نے بولتے بولتے اہم انکشاف کیا تو حیرت کی زیادتی سے' جیسے نہناں جہاں کی تہاں رہ گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے خود کو نارمل کیا' ورنہ معاذ شک میں پڑھ سکتا تھا۔ معاذ کی باتوں کی طرف اب اس کا دھیان نہیں تھا۔ وہ فقط میکانکی انداز میں سرہلا رہی تھی۔

افشاں بیگم نے' عنیزہ سے درخواست کی تھی کہ نہناں کو کچھ دن کے لیے ان کے ہاں رہنے کے لیے بھیج دیا جائے۔ وہاں بہت کام بکھرے ہوئے تھے' جبکہ افشاں بیگم سے اب "ملک محل" کی دیکھ بھال کے امور درست طریقے سے سنبھالے نہیں جارہے تھے۔ ایبک کی شادی کا ہنگامہ سرپہ تھا۔ کوئی بیٹی نہیں تھی جو بے شمار چھوٹے چھوٹے کاموں میں ان کی مدد کرتی۔

"میں نہناں سے کہتی ہوں بلکہ اسے ساتھ لے جائیں۔" عنیزہ نے فورا" ہی رضامندی دے دی تو افشاں بیگم مطمئن ہوگئیں۔ نہناں کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ عنیزہ بیگم نے اسے کچھ دنوں کے لیے ملک ایبک کی طرف شفٹ ہونے کا کہا تھا۔ اس نے بڑی فرماں برداری سے سرہلایا تھا۔ افشاں بیگم اسے اپنے ساتھ ہی لائی تھیں اور فورا" ہی کاموں کی ایک لمبی چوڑی فہرست بتائی تھی۔

کارڈز چھپ کے آگئے تھے۔ نہناں افشاں بیگم کی ہدایت پہ سب کارڈز ان کے پاس لائی تھی۔ وہ ملک ایبک کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔ نہناں کارڈز کا بنڈل ان کے سامنے رکھ کروہیں سائیڈ پر کھڑی ہوئی۔ ملک ایبک کارڈ کھول کران پہ لکھے نام پڑھ رہا تھا۔ چوہدری طارق' صغیر گیلانی' رانا رب نواز' احمد سیال۔

احمد سیال کے نام پہ نہناں فورا" اضطراب کا شکار ہوئی۔ بے چینی اس کے پورے جسم میں سرائیت کرچکی تھی۔ وہ کسی معجزے کی توقع تو نہیں کررہی تھی پر احمد سیال کے نام پہ اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔ دماغ جو کچھ سمجھا رہا تھا دل اسے قبول کرنے پہ آمادہ نہیں تھا۔

اس نے آخری بار ہوٹل سے جب اپنے گھر کال کی تھی تو وہاں سے رونے پیٹنے کی آوازیں سنی تھیں۔ اس نے اسے اپنی غلطی سمجھا تھا اور پھر کال کی تھی لیکن اس بار بھی تو غلطی نہیں ہوسکتی تھی ہوٹل اسٹاف کے ایک آدمی نے نمبر ڈائل کیا تھا اور تصدیق کی تھی جس نمبر پہ اس نے کال کی تھی اس گھر کے مالک کا انتقال ہوچکا تھا۔ رونے پیٹنے کی آوازیں ان کے دکھ کا اظہار تھیں۔ وہ ادھر ڈھے گئی تھی۔

اس کی تو دنیا ہی ختم ہوگئی تھی۔ جب پاپا ہی نہیں رہے تھے تو وہ واپس کس کے پاس جاتی' اور واپس جاکے کرتی بھی کیا۔ ساری عمر ضمیر کی مجرم بنی رہتی۔ اس نے واپس جانے کے بجائے عنیزہ اور ملک ارسلان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ اس کی خوشی یا چوائس نہیں تھی بلکہ بطور سزا' یہ راستہ اس نے چنا تھا۔ وہ اپنے پاپا کی قاتل تھی اس گھر کے چھوڑنے کے صدمے نے ان کی جان لی تھی۔ ضمیر کی چبھن اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

پر کارڈ پہ لکھا پاپا کا نام جو ملک ایبک نے ابھی ابھی پڑھ کر اس کی سوچوں کو جھنجوڑا تھا وہ تو کوئی اور ہی حقیقت بیان کررہا تھا۔ وہ مرچکے ہوتے تو کارڈ پہ ان کا نام کیوں لکھا جاتا۔ کارڈ پہ لکھا نام ظاہر کررہا تھا کہ وہ زندہ تھے اور انہیں شادی میں بلایا جارہا تھا۔ اس کا ذہن تیزی سے سارے واقعات پہ غور کررہا تھا۔ یقیناً" پریشانی میں اسے نمبر ڈائل کرنے میں غلطی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس نے پاپا کو مردہ تصور کرلیا تھا۔ اس وقت اس کی عقل کام کررہی ہوتی تو وہ نام ضرور پوچھتی۔

کارڈ پہ لکھا احمد سیال کا نام اس کے لیے مژدہ جاں فزا ثابت ہوا تھا۔

"احمد سیال کے گھر تمہارے پاپا اور میں خود جائیں گے۔ ملک صاحب بتارہے تھے۔ کہ ان کا یہ دوست تھوڑا بیمار ہے۔ بیٹی بھی پڑھنے کے لیے باہر چلی گئی

ہے۔ اور کوئی بیٹا بھی نہیں ہے۔" افشاں بیگم نہناں کی دلی حالت سے بے خبر ایبک کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے نہناں کو اشارہ کیا کہ سب کارڈز اٹھا کر وہاں رکھ دے جہاں سے لائی ہے۔ نہناں نے اپنی آنکھیں جھکاتے ہوئے ٹیبل سے سب کارڈز اٹھائے۔ وہ دروازے سے باہر آتے ہی تیز تیز قدموں سے سیدھی اس کمرے کی طرف آئی جو عارضی طور پہ اسے دیا گیا تھا۔ اس نے ڈھونڈ کر مطلوبہ کارڈ نکالا اور باقی سب الگ کر کے رکھے۔

کارڈ پہ احمد سیال کا نام گولڈن روشنائی کے ساتھ چمک رہا تھا۔ اس نے بے اختیار پاپا کے نام پہ ہاتھ پھیرا تو آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ یہ خوشی کے آنسو تھے خوامخواہ وہ اتنے ماہ اپنے پاپا کو مردہ تصور کرتی رہی۔

اس نے آنسو صاف کر کے کارڈ باقی کارڈز کے ساتھ رکھا اور اپنا سیل فون اٹھایا۔ یہ اسے عنیزہ بیگم نے لے کر دیا تھا۔ پاپا کا نمبر اسے ازبر تھا۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پاپا کا نمبر ڈائل کر کے فون کان سے لگایا۔ کال فوراً" ریسیو کی گئی۔ اس کا پورا وجود سماعت بنا ہوا تھا۔

دوسری طرف احمد سیال اپنی مخصوص مہذب آواز میں ہیلو ہیلو کر رہے تھے۔ اس نے فوراً" رابطہ منقطع کر دیا۔ اس بار اس کی آنکھوں میں آنسو خوشی کی وجہ سے آئے تھے۔ پاپا زندہ تھے۔ اس کی امید زندہ تھی۔ یعنی اب وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں تھی۔ رنم سیال تھی اپنے پاپا کی لاڈلی بیٹی' دنیا جس کے جوتے کی نوک پہ تھی۔

☼ ☼ ☼

ملازم وزیر بخش دودھ کا گلاس ان کی ٹیبل پر رکھ گیا تھا۔ احمد سیال نے نیند کی دو گولیاں دودھ کے ساتھ نگلیں۔ انہیں اب اس کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ بلڈ پریشر الگ ہائی رہنے لگا تھا۔ رنم کے جانے کے بعد وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ خود کو از خود مصروف کر لیا تھا۔ وہ بیرونی دوروں پہ پاکستان سے لمبے عرصے کے لیے غائب رہنے لگے تھے۔ اس گھر میں ان کی لاڈلی بیٹی کی یادیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ انہیں بھلانے کے جتن کرتے تھے۔ نیند کی گولیاں کھانے کے باوجود انہیں نیند بہت کم اور دیر سے آتی تھی۔ وہ اس آس پہ گھر لوٹتے کہ رنم آئی ہو گی۔ فون کی بیل بجتی تو فون کی طرف بھاگتے کہ اس کی کال ہو گی۔ گھر سے نکلتے تو آتے جاتے لوگوں کو غور سے تکتے شاید ان میں رنم نظر آجائے۔ وقتاً" فوقتاً" وہ فراز اور کومل سے بھی پوچھتے کہ شاید رنم نے ان سے کوئی رابطہ کیا ہو اور انہیں وہاں سے کوئی سراغ مل جائے۔ مگر ان کی ساری امیدیں ایک ایک کر کے دم توڑتی جا رہی تھیں۔ رنم کا دکھ انہیں لے ڈوبا تھا۔

انہوں نے آفس سے گھر اور گھر سے آفس کا راستہ پکڑ لیا تھا۔ باقی ہر جگہ آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ ملک جہانگیر کا چھوٹا بیٹا پاکستان آیا تو انہوں نے بہت محبت سے احمد سیال کو بھی مدعو کیا پر انہوں نے بہانہ کر دیا اور نہیں گئے۔ ملک جہانگیر ویسے ہی اصرار کر کے "ملک محل" آنے کا بول رہے تھے اور وہ مسلسل ٹال رہے تھے۔

کل ان کے سیل نمبر پہ اجنبی کال آئی تھی تو انہوں نے نمبر دیکھتے ہی جھٹ ریسیو کر لی پر دوسری طرف سے ان کے ہیلو کہتے ہی کال ختم کر دی گئی۔ انہوں نے کچھ توقف کے بعد اس نمبر پہ تین بار کال بیک کی پر کوئی رسپانس نہیں ملا۔ نہ جانے کیوں ان کا دل کہہ رہا تھا یہ رنم کی کال تھی۔

ملک جہانگیر' معاذ کے ساتھ احمد سیال کے گھر انہیں ایبک کی شادی کا دعوت نامہ دینے آئے تھے۔ معاذ نے پہلی بار ان کا گھر دیکھا تھا اور بے حد متاثر نظر آ رہا تھا۔ دونوں دوست باتیں کر رہے تھے۔ معاذ چائے پی کر ڈرائنگ روم سے باہر آیا۔ اسے واش روم جانا تھا۔ وہ واش روم جانے کے لیے کوریڈور سے گزرتے رک گیا۔ اچانک ہی اس کی نظر وہاں دیوار پہ لگے فوٹو گراف پہ پڑی تھی۔ اس کے رکنے کی وجہ وہ فوٹو تھی۔ وہ سو فی صد نہناں تھی۔ معاذ نے قریب جا کر دیکھا۔

حیرت انگیز طور پر اس کی شکل نمنال سے مل رہی تھی جسے ابھی ابھی کچھ گھنٹے پہلے وہ خود ملک محل میں دیکھ کے آیا تھا۔ اس سے اپنی حیرت چھپائی ہی نہیں جا رہی تھی۔ اس نے گھر میں جگہ جگہ نمنال سے مشابہت رکھنے والے بے شمار فوٹو دیواروں پر لگے دیکھے۔

وہ واپس آیا تو ملک جہانگیر وہاں موجود نہیں تھے احمد سیال اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ ملک جہانگیر عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اور احمد سیال ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ پچھلی دیوار پر بھی اس لڑکی کی تصویر آویزاں تھی۔ معاذ نے جرات سے کام لیتے ہوئے اس بارے میں پوچھ ہی ڈالا۔

"یہ میری بیٹی رنم ہے ہائر اسٹڈی کے لیے ابراڈ گئی ہوئی ہے۔" انہوں نے برا منائے بغیر بتایا۔

"آپ کا گھر بہت خوب صورت ہے۔" معاذ نے موضوع بدلا اور ان کے گھر کی تعریف کی تو وہ خوش ہو گئے۔ وہ واپسی میں بھی نمنال اور رنم کی خطرناک حد تک مشابہت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"بابا جان آپ نے مجھے اپنے کسی دوست کی بیٹی کے بارے میں بتایا تھا کچھ ماہ پہلے۔" گاڑی کے شیشے سے باہر تکتے ملک جہانگیر سے اس نے سوال کیا۔

"ہاں میں نے تم سے بات کی تھی پر تم مانے ہی نہیں۔ پھر میں نے سوچا تم نہ سہی ایبک سہی، پر تمہاری ماں دل سے راضی نہیں تھی اور ایبک کی بھی خاص مرضی نہیں تھی۔" ملک جہانگیر نے جواب دیا۔

"وہ احمد سیال کی بیٹی ہی تھی جس کے گھر سے ہم ابھی واپس آرہے ہیں۔" انہوں نے انکشاف کیا۔

"بابا جان احمد انکل کی بیٹی کہاں ہے اب کیا کر رہی ہے؟" معاذ نے سوال کیا حالانکہ احمد سیال اسے بتا چکے تھے۔

"احمد کی بیٹی پاکستان سے باہر پڑھنے کے لیے گئی ہوئی ہے۔ میری دلی خواہش تھی کہ احمد کی بیٹی بہو بن جائے۔"

"بابا جان آپ اس سلسلے میں احمد انکل کے گھر گئے تھے؟"

"ہاں میں گیا تھا سرسری بات ہوئی تھی۔ میں اکیلا ہی احمد سے ملا تھا بات کی تھی۔"

"پھر کیا جواب دیا انہوں نے؟"

"کچھ نہیں احمد کی بیٹی پاکستان سے باہر چلی گئی۔ بات چلنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ پر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" ملک جہانگیر نے گہری نگاہ سے اسے تکتے ہوئے سوال کیا۔

"بابا جان ایسے ہی۔ وہ امی جان بھی ذکر کر رہی تھیں نا اس لیے۔" معاذ نے بروقت امی کا نام لے کر ملک جہانگیر کو مطمئن کیا۔

"ویسے میں نے احمد کی بیٹی کو پہلی بار دیکھا تو تمہارے لیے پسند کیا تھا۔ اس کا جوڑ تمہارے ساتھ ہی تھا۔" انہوں نے اسے آگاہ کیا تو وہ سہلا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

ملک ارسلان نے عنزہ کے مشورے سے مدعو کیے جانے مہمانوں کی فہرست حتمی طور پہ تیار کرلی تھی۔ عنزہ نے بہت سے کارڈز زیان کو دیے تھے۔ وہ جس کو چاہے انوائٹ کرے۔ جب عنزہ نے کارڈز اسے دیے تھے تب کوئی خاص نام اس کے ذہن میں نہیں تھا لیکن وہ ذرا اکیلی بیٹھ کر سوچنے کے قابل ہوئی تو اسے بوا رحمت، زرینہ بیگم، آفاق، رابیل اور منابل سب بے طرح یاد آئے۔ جب سے وہ ملک محل میں آئی تھی اس کے بعد سے لے کر اب تک اس کا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ امیر علی کا گھر چھوڑتے ٹائم زرینہ بیگم نے سختی سے منع کیا تھا کہ ہم میں سے کسی کے نمبر پہ بھی کال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ضرورت ہوگی ہم خود فون کریں گے۔ ایسی ہی نصیحت اسے بوا نے بھی کی تھی کہ یہاں اب آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن آج اسے ان سب سے بات کرنے کی ملنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

آفاق، رابیل اور منابل تینوں اس کے بہن بھائی آخری ملاقات میں سہمے اور گھبرائے ہوئے تھے۔ یاد

آنے پہ زیان کی آنکھوں میں نمی سی چمکی۔ آفاق بے شک چھوٹا تھا پر بھائی تو تھا۔ بے شک ان کی مائیں الگ الگ تھیں پر باپ تو ایک تھا ناں۔ زیان "ملک محل" میں تھی اور وہ یہاں سے سینکڑوں میل دور شہر میں تھے پر اس دوری نے دلوں میں بھڑکنے والے محبت کے الاؤ اور خون کی کشش کو بڑھا دیا تھا۔

بے اختیار اس نے کارڈ پہ زرینہ آنٹی کا نام لکھا دوسرے کارڈ پہ خوش خط انداز میں اس نے بوا رحمت کا نام لکھا۔ کارڈ لفافے میں ڈال کر وہ عنمزہ کے پاس لے گئی۔ وہ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر چونکیں۔ زیان بہت کم ان کے بیڈ روم میں آتی تھی اس لیے وہ حیران ہو رہی تھیں۔

"ماما ان کو بلوا بھیجے گا میں نے کارڈز پہ نام لکھ دیے ہیں۔" اس نے کارڈ ان کی طرف بڑھائے۔ انہوں نے کارڈ پہ لکھے نام بغور پڑھے۔

"تم یہ نہ بھی کرتیں تو میں نے تب بھی ان کو بلوانا تھا۔ بوا کے بہت سے احسانات ہیں مجھ پہ۔ زرینہ بیگم اور بوا نے زندگی کی سب سے بڑی خوشی مجھے بخشی ہے۔ میں خود جاؤں گی شہران کے گھر۔ اور انہیں ساتھ لے کر آؤں گی۔" عنمزہ نے دونوں ہاتھ اس کے شانے پہ رکھے اور محبت سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ وہ بہت کم انہیں اس طرح مخاطب کرتی تھی اور ماما تو کبھی کبھار ہی بولتی تھی زیادہ تر آپ کہہ کر کام چلاتی۔ اس لیے وہ بہت خوش تھیں۔

"ہاں آپ بوا کو لازمی ساتھ لے کر آنا۔" زیان کے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری تو عنمزہ سوجان سے جیسے اس مسکراہٹ پہ فدا ہونے لگیں۔ وہ اس سے کچھ اور بھی کہتی تو انہوں نے لازمی ماننا تھا۔

☆ ☆ ☆

بوا، زرینہ بیگم اور تینوں بچے اداس اور خاموش بیٹھے تھے۔ گھر کا سودا ہو چکا تھا۔ آج ان کی اس گھر میں آخری رات تھی۔ وہاب کی دھمکیوں سے زرینہ بیگم بے حد خوفزدہ تھیں۔ انہوں نے اپنے وکیل سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے تو مکان نہ بیچنے پہ زور دیا تھا پر زرینہ نے حالات کے رخ کو دیکھتے ہوئے دل پہ پتھر رکھ کر مکان فروخت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہاں رہنے سے وہاب کی تلوار سر پہ لٹکتی رہتی وہ آئے روز دھمکاتا اور زندگی اجیرن کرتا۔ اس لیے انہوں نے یہاں سے بہت دور ایک اور علاقے میں اپنے وکیل کے توسط سے ہی نیا گھر خرید اتھا۔

یہ گھر امیر علی نے بڑی چاہتوں سے تعمیر کروایا تھا اور زرینہ بیگم نے سجایا سنوارا تھا۔ وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں یہاں پہ ہی آفاق، رابیل اور مناہل پیدا ہوئے، پروان چڑھے۔ زندگی کی بہت سی خوشگوار بہاریں انہوں نے اس گھر میں دیکھی تھیں۔ پھر امیر علی سے جدائی کا ابدی غم بھی انہوں نے اس گھر میں برداشت کیا تھا۔ یہ گھر ان کے لیے اینٹ پتھر اور سیمنٹ سے تعمیر کردہ محض ایک عمارت نہ تھا بلکہ ان کے خوابوں کی جنت اس گھر میں تھی۔ اس جنت میں اب ایک شیطان گھس آیا تھا جس نے انہیں دربدر کرنے کی ٹھان لی تھی۔ بوا نے بھی اپنی عمر کا بڑا حصہ اس گھر میں گزارا تھا۔ انہیں بھی بے حد دکھ نے گھیرا ہوا تھا۔ دل گرفتہ زرینہ کو انہوں نے تسلی دی تو وہ پھیکے انداز میں مسکرائیں جس میں اداسی کا رنگ رچا ہوا تھا۔

"بوا صبح جلدی نکلنا ہے۔ اس لیے اب سو جانا چاہیے۔" انہوں نے اپنے آنسو پیتے ہوئے بوا سے نظر چرائی تو بوا نے فوراً" اثبات میں سر ہلایا۔

☆ ☆ ☆

عنمزہ اور ملک ایبک دونوں دعوت نامہ لے کر امیر علی کے گھر پہنچے تھے۔ بیل بجانے پہ اندر سے جو صاحب برآمد ہوئے وہ ان دونوں کے لیے تو اجنبی تھے ہی، لیکن اس گھر کے مکینوں سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ انہوں نے حال ہی میں یہ گھر خریدا تھا اور پرانے مالک مکان کے بارے میں وہ لاعلم تھے۔

ملک ایبک اور عنمزہ واپسی کا ارادہ باندھ ہی رہے

تھے جب وہاں گیٹ پہ وہاب کی گاڑی رکی۔ وہ گیٹ پہ ایک اجنبی صورت کو بے تکلف انداز میں کھڑے دیکھ کر ٹھٹک سا گیا۔ واپسی کے لیے مڑتی قیمتی گاڑی کو بھی اس نے بغور دیکھا تھا۔

"السلام علیکم" وہ گیٹ کے بیچوں بیچ کھڑے عباس احمد سے مخاطب ہوا۔

"جی میں وہاب ہوں آپ کون اور یہ اس طرح یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" اپنا تعارف کرواتے اور آخری جملہ ادا کرتے ہوئے اس کا لہجہ خود بہ خود ہی سخت سا ہو گیا۔

"میں اس گھر کا نیا مالک عباس احمد ہوں۔" اجنبی صورت نے اپنا تعارف کروایا تو وہ پریشانی سے انہیں تکنے لگا جیسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

"یہ گھر میری خالہ زرینہ امیر علی کا ہے تین دن پہلے تک تو وہ یہاں ہی تھیں۔"

"میں کل ہی اپنی فیملی کے ساتھ شفٹ ہوا ہوں۔ میں کسی زرینہ امیر علی سے واقف نہیں ہوں میں نے یہ گھر بروکر کے توسط سے خریدا ہے۔" عباس احمد کے بتانے پہ حیرتوں کے جال وہاب کے چہرے پہ پھیلتے جارہے تھے۔

"آپ نے یہ گھر کب خریدا ہے؟" حیرت کی جگہ اب شدید غیض و غضب اور اشتعال نے لے لی تھی۔

"میں نے یہ گھر پچھلے ہفتے ہی خریدا ہے اور تمام ادائیگی بھی کردی ہے۔" عباس احمد تفصیل بتانے کے ساتھ ساتھ وہاب کے تاثرات کا بھی بغور جائزہ لے رہے تھے۔

وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کرکے وکیل کی طرف جارہا تھا۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا نام وکیل کا آیا تھا۔ امیر علی کا وکیل مکان کی فروخت اور زرینہ خالہ کی موجودہ رہائش سے یقیناً واقف ہوتا۔ آدھے گھنٹے بعد وہ وکیل صاحب کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پے در پے سوالات پہ انہوں نے مکمل حیرت اور لاعلمی کا اظہار کیا۔

"مجھے قطعی طور پہ علم نہیں ہے کہ زرینہ بیگم نے مکان فروخت کردیا ہے کم سے کم انہیں مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔" وکیل صاحب خود الجھے ہوئے تھے۔

"یہ آپ میرا نمبر رکھ لیں جب بھی خالہ آپ سے رابطہ کریں مجھے اس نمبر پہ اطلاع کردیجیے گا۔" وہاب نے کارڈ پہ لکھا اپنا نمبر انہیں دیا۔

"جی ضرور۔" وکیل صاحب خوش دلی سے بولے۔

وہاب ان کے آفس سے نکلا تو انہوں نے زرینہ بیگم کو فون کرکے وہاب کی آمد سے مطلع کیا۔ وہاب کو دیکھتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے پتا چل چکا ہے تب ہی وہ ان کے پاس آیا ہے۔ انہوں نے خوب صورتی سے ٹال دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

بدن کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی شب مکالمہ ہو گا
جہاں یہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہو گا
نہ دل کو تنگ کرے گی حصول کی خواہش
نہ کوئی خدشہ لاحاصل ستائے گا
ہمیں قبول نہ ہو گی صدائے نوحہ گری
کہ پھر وصول نہ ہو گی شکست سادہ دلی
نہ مرحلے وہ شفقت کے پیش جاں ہوں گے
کہ جن کے خوف سے لب تمنا بھول جاتے ہیں
نہ ایسی شب کی مسافت کا سامنا ہو گا
جہاں یہ چراغ وفا نہیں جلتا
لبوں کی شاخ پہ حرف دعا نہیں کھلتا
کہیں پہ کوئی مزاج آشنا نہیں ملتا
عذاب ترک مطلب سے بھی اب مکر جائیں
زمین کی قید سے نکلیں تو اس نگر جائیں
جہاں خدا سے کسی دن مکالمہ ہو گا
جہاں یہ روح کا بھی کوئی حق ادا ہو گا

زیان نے نماز پڑھ کر بہت دل سے دعا مانگی۔ وہ عنیزہ بیگم کا انتظار کر رہی تھی وہ شہر گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق بوا کو ساتھ لے کر

آنا تھا۔ زیان کا ٹائم ہی نہیں گزر رہا تھا۔ وہ نماز کی ادائیگی کے بعد اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی' جب باہر سے چہل پہل اور مخصوص آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ یہ اس بات کا اظہار تھا کہ عنیزہ واپس آگئی ہیں اور سب الرٹ ہوگئے ہیں۔ اس نے اشتیاق سے باہر جھانکا کہ بوا بھی ہوں گی۔ پر عنیزہ اکیلی تھیں اور اسی کی طرف آرہی تھیں۔ مایوسی اور ناکامی ان کے چہرے پہ لکھی تھی۔

"کیا بوا اور زرینہ آنٹی نے آنے سے انکار کردیا ہے۔" سب سے پہلے یہی سوچ اس کے دماغ میں آئی۔ وہ عنیزہ کے بولنے کا انتظار کررہی تھی۔

"وہ لوگ گھر چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں اور ان کے نئے گھر کا کسی کو بھی علم نہیں ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں' اپنا وعدہ پورا نہ کرسکی۔" عنیزہ کی آواز میں ندامت اور شرمندگی تھی جیسے ان کا قصور ہو۔

"بھلا وہ لوگ گھر چھوڑ کر کہاں جاسکتے ہیں۔ میرے آنے تک تو ایسا کچھ نہیں تھا۔ کیوں گئے ہیں وہ ایسے۔" زیان خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی۔ کوئی لفظ عنیزہ کی سماعتوں تک رسائی حاصل نہ کرسکا۔

"آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے آپ کی شرمندگی سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ کوئی نقصان ہے۔ گزر جانے والے لمحوں کی تلافی آپ کر نہیں پائیں گی۔ زرینہ آنٹی نے گزرتے اٹھارہ برس میں اٹھارہ ارب مرتبہ مجھے بتایا ہے کہ تم ایک سال چند ماہ کی تھیں جب تمہاری ماں تمہیں چھوڑ گئی تھی۔ ایک سال' ڈیڑھ سال کیا عمر ہوتی ہے۔ بچے کو اپنا تک پتا نہیں ہوتا' ماں ہی ماں اس کے لیے سب کچھ ہوتی ہے۔ بچے کی زباں ضرورتیں وہی سمجھ سکتی ہے۔ زرینہ آنٹی میرے سامنے آفاق' رابیل' منال کو چومتیں' گلے لگاتیں' لاڈ کرتیں' اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتیں۔"

بولتے بولتے زیان لمحہ بھر کے لیے رکی اور دھواں دھواں چہرے والی عنیزہ کی سمت دیکھا جن کی آنکھوں میں حیرانی' دکھ' افسوس' بے چارگی' لاچاری' درماندگی سمیت جانے کون کون سا جذبہ رقم تھا۔

"لیکن میری ماں میری ساتھ نہیں تھی۔ انیس سال تک بوا نے میری پرورش کی' ماں بن کر' باپ بن کر' دوست بن کر' ان کے روپ میں میرے سب رشتے تھے۔ وہ میری ماں بھی تھیں' میری بہن بھی' میرا بھائی بھی' میرا باپ بھی اور میرا دوست بھی۔ وہی میری ہمدرد تھیں۔ مجھے ایک ایک پل' ایک ایک لمحہ یاد ہے' جب مجھے ماں کی ضرورت پڑی' بوا نے میری انگلی تھام لی۔ زرینہ بیگم اور امیر علی میری ماں کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ ماں کا نام تک لینے پہ پابندی تھی گھر میں۔ پر بوا رات کی تنہائیوں میں چھپ چھپ کر مجھے ماں کی ماں' جیسی پری کی کہانیاں سناتی رہیں۔ وہ کوئی بری بات کر ہی نہیں سکتی تھیں' انہوں نے میری ماں کو بھی چاند کی پری بنا کر پیش کیا۔ کبھی وہ ماں کو پھولوں کی تتلی کی روپ میں ڈھالتیں تو کبھی بادلوں کی رانی کا خطاب دیتیں' لیکن وہ سب جھوٹ تھا۔ میں پانچ سال کی تھی جب زرینہ آنٹی نے مجھے بتایا کہ تمہاری ماں اپنے عاشق کی خاطر تمہیں اور تمہارے باپ کو چھوڑ گئی تھیں۔ میری وہ عمر ایسی نہیں تھی جو ایسے بوجھ سہار سکتی۔ میں پانچ سال کی عمر سے ہی بالغ ہونا شروع ہوگئی تھی۔

بوا مجھے بتاتیں تمہاری ماں مجبور تھی' لیکن زرینہ آنٹی کہتیں تمہاری ماں عشق کے ہاتھوں مجبور تھیں۔ بوا پردے ڈالتیں' زرینہ آنٹی پردے چاک کر دیتیں۔ کوئی ماں ایسا نہیں کرتی اپنی سگی اولاد کو ایسے چھوڑ جائے' بھول جائے۔ میری ماں میری ڈیڑھ سال کی عمر میں ہی مرگئی تھی۔ وہ صرف محبوبہ تھی' جو مجھے' اپنے شوہر کو لات مار کر محبوب کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس ماں کے حوالے سے میں نے بہت دکھ اور رسوائی سہی ہے۔ میری ماں تو صرف بوا تھیں۔ میں اپنی ماں کی آمد کا انتظار کررہی تھی۔ اکیلی ہوں نا اس لیے اس موقع پہ ان کی ضرورت محسوس کررہی ہوں۔ آپ میری ماں نہیں ہیں اس لیے آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ کو پتا ہے میں نے اللہ

سے اٹھارہ برسوں میں ایک ہی دعا مانگی ہے۔" عنیزہ یک ٹک اسے دیکھے جارہی تھیں انہیں ایسا لگ رہا تھا ان کی تمام طاقت توانائی اور قوت برداشت ابھی تھوڑی ہی دیر میں ختم ہو جائے گی۔

"آپ جانتی ہیں وہ کیا دعا تھی؟" اس کی آنکھوں اور ہونٹوں پہ سوال تھا۔ عنیزہ کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔

"وہ یہ دعا تھی کہ اے اللہ مجھے اس عورت سے ملا دے ایک بار اس کی شکل دکھا دے جس نے مجھے پیدا کیا جو مجھے اس دنیا میں لائی۔ پتا ہے میں یہ دعا کیوں مانگا کرتی تھی؟"

ایک بار پھر عنیزہ کا سر پھر نفی میں ہلا۔

"میں یہ دعا اس لیے مانگا کرتی تھی کہ میں اپنی نام نہاد ماں کو بتا سکوں کہ میں اس سے کتنی شدید نفرت کرتی ہوں۔ کل وہ با اختیار طاقت ور تھی سب حق رکھتی تھی۔ آج میں بھی طاقت ور ہوں اس پوزیشن میں ہوں اپنی نام نہاد ماں کو اپنی زندگی سے ایسے ہی کک آؤٹ کر دوں جیسے اٹھارہ سال پہلے اس نے مجھے ٹھوکر ماری تھی۔" زیان کا ہر ہر جملہ ایک ایک لفظ پنا تلا تھا۔ وہ پورے اعتماد کے ساتھ بول رہی تھی۔ عنیزہ جیسے اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتی چلی جارہی تھیں۔ کوئی ایسی نفرت بھی کسی سے کر سکتا ہے جیسی زیان نے ان سے کی ہے۔

"آپ یہاں سے تشریف لے جا سکتی ہیں۔" وہ لمحوں میں ہی اجنبی بن گئی تھی۔

"دیکھو پلیز! ایسے مت کہو۔" عنیزہ کا انداز گڑگڑانے والا تھا۔ زیان نے دروازہ پوری قوت سے باہر کی طرف کھولا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی جیسے عنیزہ کی کوئی بات بھی نہ سننا چاہ رہی ہو۔

دروازے کے پیچھے چھپی نہناں کو ادھر ادھر ہونے کی مہلت بھی نہ مل سکی تھی کیوں کہ زیان نے اچانک ہی تو دروازہ کھولا تھا۔ اسی دروازے نے اسے چھپا کر اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اندر سے عنیزہ نکلتیں نہناں دروازے کے پیچھے سے نکل کر ایک طرف چل دی۔ آج اس پہ بڑے بڑے رازوں کا انکشاف ہوا تھا۔ دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وہ اپنی کچھ چیزیں لینے آئی تھی جب دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے زیان کی آواز سنی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ دروازے سے کان لگا کر ان کی باتیں سننے لگی۔ خاموش خاموش زیان کی آواز آج تو سماعتوں کو حیران کر رہی تھی وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس نے ابھی جو کچھ سنا ہے وہ زیان نے ہی کہا ہے۔

☼ ☼ ☼

آئینے کچھ تو بتا! ان کا ہمراز ہے تو
تو نے وہ زلف وہ مکھڑا وہ دہن دیکھا ہے
ان کے ہر حال کا بے ساختہ پن دیکھا ہے
وہ نہ خود دیکھ سکیں جس کو نظر بھر کے کبھی
تو نے جی بھر کے وہ ہر خط بدن دیکھا ہے
ان کی تنہائی کا دل دار ہے تو دم ساز ہے تو
آئینے! کچھ تو بتا ان کا ہمراز ہے تو
شوخ معصوم جواں مست تخیل بے پروا
کیا وہ خود اپنے یہ انداز دیکھتے ہیں
ان کے جذبات کی سہمی ہوئی آواز ہے تو
آئینے کچھ بتا ان کا ہمراز ہے تو

ملک ایک محویت کے عالم میں زیان کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ معاذ کچھ دیر پہلے ہی کیمرا اسے دے کر گیا تھا۔ ایبک نے ایک ایک کر کے سب تصویریں دیکھ ڈالیں۔ پیلے کپڑوں پیلے دوپٹے کے ہالے میں موتیوں کے گجروں سمیت وہ پہلے سے بڑھ کر دلفریب اور حسین لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے ابھی پلکوں کو چھوا تو رو پڑے گی۔ اس کے پورے چہرے اور آنکھوں میں اداسی رچی ہوئی تھی۔ ایبک تکیہ بازوؤں میں دبائے لیٹا ہوا زیان کے کمرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب لائٹیں آن تھیں پر وہ خود نیچے تھی۔ مایوں بیٹھنے کے بعد اس کا داخلہ اوپر ممنوع ہو گیا تھا۔ اس لیے ایک ہفتے سے ایبک نے اس کی کوئی

جھلک نہیں دیکھی تھی۔ آخری بار جب وہ اس کے کمرے میں گیا تھا تب اسے ملا تھا اور دیکھا تھا۔ اسے شادی پہ اعتراض نہیں تھا تب ہی دونوں طرف سے جھٹ پٹ تیاری ہوئی۔ پرسوں زیان نے مسز ایبک بن کر اس کے پاس آجانا تھا۔ ایبک کے پاس اس موقعے پر بہت سے سوالات تھے جن کے جوابات اسے زیان سے حاصل کرنے تھے۔ فی الحال تو اسے معاذ کا شکریہ ادا کرنا تھا جس نے زیان کی فوٹو بنا کر اسے دکھائی تھیں۔

افشاں بیگم کو وہ بھا گئی تھی اور ملک ایبک کو حیرت ہو رہی تھی کہ امی جان نے جب زیان کے بارے میں اس کی رائے لی تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا بخوشی رضامندی دی۔ کیا اس میں زیان کے بے تحاشا حسن کا عمل دخل تھا یا اس کی بے رخی ایبک کو بھا گئی تھی یا پھر اسے واقعی زیان اچھی لگی تھی۔ اسے پہلے بابا جان نے احمد سیال کی بیٹی کے لیے اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی تب ایبک دل سے آمادہ نہیں تھا۔ پر زیان کے معاملے پہ ایسا نہیں ہوا۔ افشاں بیگم کو آگاہ کرتے ہوئے وہ پوری طرح خوش اور مطمئن تھا۔ ملک ایبک نے اپنے سب جذبے، سب محبتیں، وچاہتیں اپنی شریک حیات کے لیے سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔ زیان یقیناً "بہت خوش قسمت تھی جو ایبک اس کا ہم سفر بن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج زیان کی طرف سے ملک ایبک کی مہندی جانی تھی۔ سب تیار ہو رہے تھے۔ گھر میں زیان کے ساتھ عمر رسیدہ نوکرانیاں تھی اور ساتھ ملک ایبک کی ایک رشتے کی خالہ تھیں۔ سب ملک ایبک کی طرف جا چکے تھے۔ ایبک کی خالہ اس کے پاس سے اٹھ کر کسی کام سے باہر نکلی تھیں۔ ملک محل کے دوسرے رہائشی حصے سے ڈھول باجوں شور شرابے، ہنسی مذاق کی آوازیں، ہوا کے دوش پہ سفر کرتی بخوبی اس کے کانوں تک رسائی حاصل کر رہی تھیں۔ بلند آواز میں بجتے شادی بیاہ کے گانوں کی آواز اس کے علاوہ تھی جو اس کی سماعتوں کو گویا چیر رہی تھیں۔

وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اس کا ویران اداس سراپا بڑا واضح تھا۔ پیلے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس اسے اپنا چہرہ کچھ اور بھی پیلا لگ رہا تھا۔ خود کو آئینے میں تکتے تکتے اسے ملک ایبک اور اس کی باتیں یاد آنے لگیں جب وہ شادی کے بارے میں رضامندی معلوم کرنے آیا تھا۔ وہ پچھتا رہی تھی کیوں ہاں کی ہے؟ اس کے پاس انکار کرنے کا سنہرا موقعہ تھا جو ملک ایبک کی معرفت اسے آسانی سے حاصل ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی بیوقوفی سے گنوا دیا۔

وہ ایک بار انکار کر کے ملک ایبک کے تاثرات تو دیکھتی۔ بہت ناز ہو گا ملک ایبک کو خود پہ، اپنی شخصیت، اپنے خاندان پہ۔ جب وہ انکار کرتی تو بے چارے ایبک کا سارا غرور، ناز مٹی میں مل جاتا۔ عنیزہ بیگم اس کی نام نہاد ماں، اسے اذیت دینے کا اچھا بہانہ تھا اس انکار سے ان کی کتنی توہین ہوتی وہ ملک جہانگیر، افشاں بیگم اور تو اور ملک ارسلان جیسے محبوب شوہر کی نگاہوں سے بھی گر جاتیں۔ عین وقت پہ جب بارات لانے کی تیاری ہو رہی ہے پورے گاؤں کو رشتہ داروں کو ملک ایبک اور زیان کی شادی کی خبر ہے، وہ خوشی منانے ملک محل میں جمع ہوئے ہیں، وہ اس موقعے پہ شادی سے انکار کرتی ہے تو کیسی رسوائی ہوتی ملک خاندان کی۔ بے چاروں کے اٹھے سر جھک جاتے۔ مگر اپنی بے وقوفی یا جلد بازی سے اس نے سب ضائع کر دیا۔ زیان کے پاس پچھتانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

اپنے اور ایبک کے ملن کے بارے میں سوچنے کے بجائے وہ بدلے، انتقام اور اذیت دینے کے طریقوں پہ غور کر رہی تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا دماغ گھٹن سے بھر گیا۔ اس نے بے اختیار میکانکی انداز میں سب کھڑکیاں وا کر دیں اور خود ایک کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر لمبے لمبے گہرے سانس لینے لگی۔ اتنے میں آہٹ ہوئی۔ ملک ایبک کی رشتے کی خالہ واپس لوٹ آئی تھیں۔ اسے یوں کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر ان کی فکر و حیرانی بڑھی۔

"پتر کھڑکی کھول کے کیوں کھڑی ہو۔ ہٹو۔ ادھر سے اور اپنا چہرا چھپاؤ۔" انہوں نے بڑے آرام سے کھڑکیاں بند کردیں۔ زیان کو دل میں بے پناہ غصہ آیا۔

"تمہاری شادی میں کل کا دن باقی ہے ابھی سے اپنا چہرہ کھول کر کمرے سے باہر مت جھانکو تم مایوں کی دلہن ہو۔ سو چیزیں چمٹ جاتی ہیں۔ تمہیں کچھ ہوگیا تو سب میری جان کو آجائیں گے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بول رہی تھیں۔

زیان خاموشی سے کچھ کہے بغیر بیڈ پہ جاکر بیٹھ گئی۔ اسے ایبک کی رشتے کی خالہ سے اختلاف تھا' پر وہ کچھ بولنا نہیں چاہ رہی تھی۔ ادھر وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں اس کی معصومیت اور بے خبری پہ ترس کھا رہی تھیں۔

✡ ✡ ✡

مہندی کا ہنگامہ تھمے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی۔ عنیزہ واپس آچکی تھیں۔ ذہنی اور جسمانی تھکن نے انہیں جیسے نچوڑ کے رکھ دیا تھا۔ ان کی اذیت بھی حد سے سوا تھا۔ زیان نے زندگی میں پہلی بار ان سے اتنی طویل اور مکمل بھرپور گفتگو کی تھی۔ ہر ہر جملہ' ہر ہر لفظ' برچھی بن کر ان کے دل میں اترا تھا۔ وہ تو اس کی ماں ہی نہیں تھیں' بلکہ اپنے آشنا کے ساتھ جانے والی ہوس پرست عام سی عورت تھی۔ وہ عورت جو اپنی ڈیڑھ سال کی بیٹی کا خیال کیے بغیر زخم کھائے بغیر اسے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ عنیزہ خالی الذہنی کے عالم میں کسی غیر مرئی چیز کو دیکھ رہی تھیں آنسو سلسلہ وار ان کی آنکھوں سے رواں تھے۔

انہیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب ملک ارسلان کمرے میں آئے۔ وہ اس وقت چونکیں جب انہوں نے عنیزہ کے کندھے پر تسلی دینے والے انداز میں ہاتھ رکھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھیں۔ ارسلان ان کے پاس بیٹھ گئے۔

"تم زیان کی خاطر رو رہی ہو۔ ماں ہو ناں۔" عنیزہ نے دہل کر جیسے ان کی طرف دیکھا کیا اس دن کی باتیں انہوں نے سن تو نہیں لی تھیں۔ زیان نے ماں کے حوالے سے کیسی کیسی باتیں کی تھیں یقیناً" ارسلان کو غصہ آیا ہوگا کیونکہ وہ عنیزہ سے بے پناہ پیار کرتے تھے اور زیان کی باتوں میں کوئی صداقت بھی نہیں تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ چکے تھے عنیزہ کے بہتے آنسو انہوں نے اپنے ہاتھ سے صاف کیے۔

"ہر ماں بیٹی کی رخصتی پہ روتی ہے اور تم خوش قسمت ہو کہ ہماری بیٹی رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جارہی ہے۔ وہ اس گھر میں' ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔ اس لیے تم دل چھوٹا مت کرو۔" وہ قدرے پرسکون ہوئیں صد شکر انہوں نے اس دن والی باتیں نہیں سنی تھیں۔ عنیزہ نہیں چاہتی تھیں ارسلان کے دل میں زیان کی طرف سے کوئی میل آئے۔

"تم سو جاؤ۔ کل کا دن بہت مصروف ہوگا۔" انہوں نے تکیے درست کرتے ہوئے عنیزہ کو کندھوں سے پکڑ کر بستر پر لٹایا۔ ارسلان تھکے ہوئے تھے پندرہ منٹ بعد ان کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنا شروع ہوگئے جو اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ گہری نیند سو چکے ہیں۔

عنیزہ نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر آہٹ پیدا کیے بغیر بستر سے اتر کر کھڑکی کے پاس بڑی ایزی چیئر پہ بیٹھ گئیں۔ آج کی رات نیند آنے والی نہیں تھی۔ یہ کرب و اذیت کی رات تھی" تکلیف دہ ماضی کی طرف اذیت ناک سفر کی رات تھی۔ انہوں نے اپنے تئیں ماضی کی طرف کھلنے والے ہر دروازہ پر' کھڑکی پر روزن بند کردیا تھا' پر ماضی زیان کی صورت زندہ تھا۔

✡ ✡ ✡

قاسم صاحب بہت خوش تھے۔ وہ کھانے پینے کی انواع و اقسام کی اشیاء لے کر آئے تھے۔ عنیزہ نے اس سے پہلے انہیں بہت کم خوش دیکھا تھا۔

قاسم صاحب بیٹی کے رشتے کی طرف سے بے حد پریشان تھے۔ ان کے دیرینہ دوست نے ان سے امیر علی کے خاندان کا ذکر کیا تھا اور وہ لوگ عنیزہ کو دیکھنے

آرہے تھے۔ قاسم صاحب بہت خوش تھے۔ ان کی دلی خوشی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

امیر علی کے گھر سے ان کی والدہ' دور پرے کے رشتے کے چچا اور دو رشتہ دار خواتین آئی تھیں۔ امیر علی کے گھر والوں کو عنیزہ بے پناہ پسند آئی تھی۔ پہلی ملاقات میں ہی ان کی کوشش تھی کہ قاسم صاحب سے جواب لے کر جائیں۔ مگر انہوں نے رسمی طور پر سوچنے کی مہلت طلب کی تھی۔ مہمان بہت خوش خوش رخصت ہوئے مگر عنیزہ کے دل میں سناٹے پھیلنا شروع ہو چکے تھے۔

ارسلان پاکستان سے باہر تھا۔ اس سے بہت کم رابطہ ہو پاتا تھا۔ خط لکھنے سے اسے عنیزہ نے خود ہی منع کیا ہوا تھا۔ فون ان کے گھر نہیں تھا۔ عنیزہ کو جب بھی ارسلان سے بات کرنی ہوتی تو اپنی ایک کلاس فیلو کے گھر چلی جاتی جسے ارسلان اور عنیزہ کے دلی معاملات کا علم تھا۔ ارسلان اس مشترکہ کلاس فیلو کو فون کر کے دن اور ٹائم بتا دیتا' مقررہ ٹائم پہ عنیزہ کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جاتی۔ ابھی دو دن پہلے ہی تو ارسلان سے اس کی بات ہوئی تھی وہ اپنے امتحانات کی تیاری میں مصروف تھا۔ زیادہ دیر بات نہیں ہو پائی تھی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ قاسم صاحب اپنی خوشی میں اس کی اداسی کو محسوس ہی نہیں کر پائے۔ وہ اس کے پاس بیٹھے امیر علی کی فیملی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"امیر علی بہت اچھے خوش حال خاندان سے ہے۔ میری خواہش تھی کہ میری بیٹی خاندانی لوگوں میں بیاہ کر جائے۔ اللہ نے جیتے جی میری خواہش پوری کر دی ہے۔ تمہاری ماں کے بعد میں دعائیں مانگتا تھا کہ میری بیٹی عزت سے اپنے گھر کی ہو جائے۔ میں زندگی کا بوجھ اکیلے ڈھوتے ڈھوتے تھک گیا ہوں۔" بولتے بولتے قاسم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوئے تو عنیزہ نے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک پریشان حال باپ کا چہرہ تھا جس پہ وقت اور مسائل نے بے پناہ جھریاں قبل از وقت ہی ڈالی تھیں۔

"تمہاری ماں زندہ ہوتی تو خود تم سے یہ سب باتیں کرتی' سمجھاتی۔" وہ پھر گویا ہوئے۔ عنیزہ کا چہرہ اور تاثرات جیسے جامد ہو رہے تھے۔ وہ سر جھکائے آنکھیں نیچی کیے بیٹھی تھی۔ قاسم صاحب سمجھ رہے تھے وہ شرما رہی ہے۔

"میں جلدی تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں تاکہ عزت سے مر سکوں۔" وہ آخری جملہ بول کر اس کے پاس سے اٹھ گئے تھے۔

آج سے پہلے وہ سوچا کرتی تھی کہ اگر ارسلان سے دور ہو گئی تو مر جائے گی ان کے درمیان کوئی تیسرا آیا تو وہ سہہ نہیں پائے گی' اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' پھٹ جائے گا۔ مگر اب امیر علی اس کا امیدوار بن کر درمیان میں آگیا تھا اور اس کا دل ریزہ ریزہ بھی نہیں ہوا تھا۔

ابو خوش تھے' اس کی باعزت رخصتی کے خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھے تھے۔ وہ بے بس و مجبور بنت حوا ہی تو تھی۔ صرف کڑھ سکتی تھی' اپنے خوابوں کا ماتم کر سکتی تھی اور وہ کر رہی تھی۔

قاسم صاحب کو بہت جلدی تھی وہ امیر علی کے گھر گئے ہوئے تھے۔

عنیزہ' قاسم صاحب کے جانے کے بعد اپنی کلاس فیلو راحت سے ملنے چلی گئی۔ وہ عنیزہ کا ویران اجڑا سراپا دیکھ کر ہی جان گئی کہ وہ وقت آن پہنچا ہے' جو عنیزہ جیسی متوسط طبقے کی لڑکیوں کے نصیب میں ہوتا ہے۔ عنیزہ کے آنسو اس کے دل کو موم کر رہے تھے۔ ملک ارسلان کے دیئے گئے نمبر پہ عنیزہ نے راحت کے گھر بیٹھ کر کئی بار کال کی لیکن نمبر نہیں مل رہا تھا۔ امریکہ کے جس شہر میں ملک ارسلان بغرض تعلیم مقیم تھا وہاں شدید سردی اور کئی کئی انچ پڑنے والی برف نے نظام زندگی مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔

عنیزہ کو پورا یقین تھا ارسلان سے اس کی بات ہو جائے تو وہ فوراً "سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لوٹ آئے گا۔ پلک جھپکتے سب بدل جائے گا' وہ اپنے گھر والوں کو راضی کر کے لے آئے گا اور وہ دونوں اس دنیا میں رہیں گے جو انہوں نے اپنے خوابوں میں سجا رکھی

ہے۔

ارسلان سے بات کرنے کی کوشش مکمل طور پر ناکام ہو گئی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے گھر لوٹی۔ قاسم صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ عنیزہ تکیے میں منہ چھپا کر روتی رہی۔ قاسم صاحب امیر علی کے گھر سے کھانا کھا کر وہیں سے ہی اپنے دوست کے ساتھ اس کے گھر چلے گئے تھے۔ انہیں بیٹی کی شادی ' دیگر معاملات میں ان سے مشورہ کرنا تھا۔

اگلے دن قاسم صاحب نے امیر علی کے رشتے کے لیے ہاں کہلوادی تھی۔ عنیزہ کا رونا دھونا ' آنسو ' آہیں سب بے کار گئے۔ سب فریادیں دل میں ہی دبی رہ گئیں۔ اس کی اور ارسلان کی محبت کا پھول کھلنے سے پہلے ہی مرجھا چکا تھا۔ امیر علی کے گھر والوں کو بہت جلدی تھی۔ وہ جھٹ منگنی پٹ بیاہ کے چکر میں تھے۔

ارسلان ایگزمز سے فارغ ہوا تو عنیزہ کی یاد دل پہ بری طرح حملہ آور ہوئی۔ اسے پتا تھا ' وہ اس کے فون نہ کرنے پہ سخت ناراض ہوگی۔ ایک تو ایگزمز کی مصروفیت تھی اوپر سے قدرتی آفت کی وجہ سے موسم خراب تھا وہ چاہنے کے باوجود بھی عنیزہ سے رابطہ نہیں کرپایا تھا۔

اس نے راحت کو کال کی۔ عنیزہ کی بابت پوچھنے پہ جو جواب ملا اس نے ارسلان کے ہوش ہی اڑا دیے دل کی دنیا جو اس نے بڑے ارمانوں سے ننھے منے حسین خوابوں سے سجائی تھی وہ اجڑ گئی تھی۔ راحت بتا رہی تھی کہ آج عنیزہ کا ولیمہ ہے وہ اس میں شرکت کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ ارسلان سائیں سائیں کرتے کانوں سے سن رہا تھا الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ۔

اس پہ شدید نوعیت کا ڈپریشن حملہ آور ہوا تھا۔ وہ بیٹھے بیٹھے رونے لگتا۔ ملک جہانگیر چند دن میں ہی اس کے پاس امریکہ پہنچ گئے تھے۔ ان کے گلے لگ کر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کے رویا۔

"بھائی جان میں زندہ نہیں رہ پاؤں گا عنیزہ کے بغیر۔ وہ چلی گئی ہے میں نے بہت دیر کر دی ہے ناں۔"

وہ اونچا لمبا مرد بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ملک جہانگیر نے پہلی بار اسے ایسے دیکھا تھا۔ وہ ڈر گئے تھے کہ ارسلان خود کو نقصان نہ پہنچالے۔ وہ اسے اپنے ساتھ پاکستان لے آئے۔ یہاں بھی اس کی وہی حالت تھی بلکہ اب تو وہ پہلے سے زیادہ قابل رحم ہو گیا تھا۔ یہاں اسے عنیزہ اور بھی زیادہ یاد آنے لگی تھی۔ وہ بری طرح روتا اپنے بال نوچتا۔ وہ پاگل پنے کی حدود کو چھو رہا تھا۔ ملک افتخار بیٹے کے اس دکھ کو لے کر قبر میں ابدی نیند جا سوئے۔

ملک ارسلان پہلے سے بھی زیادہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ پہروں خاموش رہتا خلاؤں میں گھورتا۔ افشاں بیگم اور ملک جہانگیر نے اسے شادی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی پر وہ تو کف اڑانے لگا ' اسے صرف عنیزہ چاہیے تھی۔

ملک جہانگیر نے بہترین ڈاکٹرز اور سائیکاٹرسٹ سے رجوع کیا انہوں نے اینٹی ڈپریشن میڈیسن کے نام پہ سلیپنگ پلز دے دیں۔ ملک ارسلان سویا رہتا۔ اس کے اعلا تعلیم حاصل کرنے کا خواب آنکھوں اور دل تک ہی محدود رہ گیا تھا۔ ملک جہانگیر اس کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتے۔ وہ دنیا سے بے خبر ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

شادی کے بعد امیر علی کے ساتھ عنیزہ کی زندگی نارمل ڈگر پہ رواں دواں تھی۔ باقی سب ٹھیک تھا بس عنیزہ کے دل کا ایک حصہ ویرانیوں کی زد میں تھا۔ اپنے گھر سے رو روتی دھوتی سسرال میں آئی تھی۔ امیر علی کے سر پہ اس کے حسن کا جادو چڑھ چکا تھا۔ شادی کے شروع میں وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ عنیزہ اس قدر اداس اور چپ چپ کیوں رہتی ہے۔ حالانکہ وہ گھر کے سب کاموں میں حصہ لیتی سب کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہنستی بولتی مگر اکثر اوقات ایسا لگتا جیسے یہ مسکراہٹ مانگے کی ہے اس کے قہقہے مستعار لیے ہوئے ہیں۔

امیر علی کا اپنا کاروبار تھا وہ دس بجے ناشتا کر کے آرام سے آفس جاتا۔ اس کے جانے کے بعد عنیزہ بوا رحمت کے ساتھ ان کے نہ نہ کرنے کے باوجود کاموں میں لگ جاتی۔ کپڑے دھونے پہ آتی تو گھر بھر کے کپڑے جمع کر لیتی کھڑکیوں دروازوں کے پردے تک اتار لیتی۔ حالانکہ اسے کپڑے دھونے کی ضرورت نہیں تھی اس مقصد کے لیے امیر علی نے تین تین ملازمائیں رکھ چھوڑی تھیں۔

عنیزہ خود کو کاموں میں غرق کر کے ارسلان کی یادوں سے پیچھا چھڑانا چاہ رہی تھی۔ اس نے پوری ایمانداری کے ساتھ امیر علی کے ہمراہ زندگی کا یہ نیا سفر شروع کیا تھا۔ گھر میں سب ہی اس سے خوش تھے بوا رحمت تو اسے بہت پیار کرتی تھیں۔ چپ چپ بھیگی بھیگی آنکھوں والی عنیزہ انہیں بہت اچھی لگتی تھی۔ اس نے کسی کو بھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔

امیر علی کے ساتھ شادی کے چند ماہ بعد ہی عنیزہ کی ساس کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران اس کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ چیک اپ کے بعد ڈاکٹر نے خوش خبری سنائی تو امیر علی کے تن من میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مگر عنیزہ کی کھوئی کھوئی حالت مستقل طور پر انہیں ڈسٹرب کرنے لگی۔ پتا نہیں ہنستے وقت آنکھیں عنیزہ کا ساتھ کیوں نہیں دیتی تھیں۔ وہ روبوٹ کی طرح ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتی۔ جس میں صرف اس کا ساتھ دیتا اور روح دور کہیں پیچھے بہت پیچھے ارسلان کے پاس رہ جاتی۔

ویسے بھی وہ امیر علی کے پاس ان کے گھر میں صرف اپنا جسم ہی لے کر تو داخل ہوئی تھی' روح ارسلان کے پاس رہ گئی تھی۔ اس کے خواب ارسلان کے پاس رہ گئے تھے۔ وہ محض گوشت پوست کا ڈھیر تھی جس میں کوئی جذبہ اور احساس نہیں تھا۔

قاسم صاحب اسے ملنے آئے تو اسے اتنے بڑے گھر کی مالکن کے روپ میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ عنیزہ کی اندرونی حالت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اب تو امیر علی اس کی خاموشی سے چڑنے لگے تھے۔ ان ہی خاموشیوں کے درمیان عنیزہ نے بیٹی کو جنم دیا۔

☼ ☼ ☼

ملک جہانگیر اس لڑکی کا پتا چلانے کی کوشش کر رہے تھے جس کی وجہ سے ملک ارسلان ان کا لاڈلا چھوٹا بھائی ان حالوں کو پہنچا تھا۔ اس تلاش کے دوران ان کے ہاتھ ارسلان کی ڈائری لگی جس میں بہت سے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ اس میں راحت کا نمبر بھی تھا۔ وہ ایک دن سراغ لگانے کے بعد خاموشی سے راحت کے گھر پہنچ گئے۔ وہ بے حد خوف زدہ ہوئی۔ ملک جہانگیر کا کروفر اور شاہانہ جاہ و جلال بتا رہا تھا کہ وہ عام سی شخصیت نہیں ہیں۔ جہانگیر سمجھ رہے تھے کہ راحت ہی وہ لڑکی ہے جس کی وجہ سے ارسلان کی یہ حالت ہوئی ہے' پر راحت سے ملنے کے بعد ان کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی۔

راحت سے ملنے کے بعد ان کی مایوسی بڑھ گئی تھی امید کے سب جلتے دیئے ایک ایک کر کے بجھ گئے تھے۔ جس لڑکی کی محبت میں ارسلان سودائی ہو گیا تھا' وہ تو اپنا گھر بسا کر ایک بیٹی کی ماں بھی بن چکی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس لوٹے تھے۔

ملک جہانگیر کی آمد اور ارسلان کی موجودہ حالت راحت کے لیے بہت بڑی خبر تھی۔ وہ عنیزہ کو بتانے کے لیے بے چین تھی۔

امیر علی حسب معمول آفس میں تھے۔ شام کو راحت عنیزہ کے پاس پہنچی۔ ملک جہانگیر کی آمد سے لے کر ملک ارسلان کی حالت تک اس نے الف تا یے سب عنیزہ کے گوش گزار کر دیا۔

اسے جوش جذبات میں امیر علی کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوئی۔ وہ راحت کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ سن چکا تھا۔ پر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کچھ دن تک اس نے بہت مشکل سے خود پہ قابو پائے رکھا اور اپنا رویہ نارمل رکھا۔ مگر کب تک اس کے اندر جوار بھاٹا ابل رہا تھا۔ اس نے بہت دھیمے سے نرمی سے عنیزہ سے باز پرس کی۔ وہ ابھی اتنی پختہ اور چالاک

نہیں ہوئی تھی کہ کچھ چھپاپاتی۔ اس نے بہت سادگی سے ارسلان کے یونیورسٹی میں ملنے اور پھر باہم پسندیدگی کا بتایا۔ اس کے دل میں چور نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنی زندگی ایمان داری کے ساتھ امیر علی کے گھر سے شروع کی تھی۔ ٹھیک تھا اس کے دل اور یادوں میں ارسلان کا قبضہ تھا پر اس نے امیر علی کی امانت میں خیانت نہیں کی تھی نہ ایسا کرنے کا سوچا تھا۔

امیر علی جیسے تنگ دل، تنگ نظر شوہر کے نزدیک اس کا جرم ناقابل معافی تھا۔ حالانکہ وہ عنبزہ کا ماضی تھا، خود امیر علی کا ماضی ایسی پسندیدگی سے خالی نہیں تھا پر عنبزہ عورت تھی اس لیے سزا کے لائق تھی۔ اس نے اسی ٹائم سزا سنادی۔ کھڑے کھڑے عنبزہ کو گھر سے نکال دیا۔ ایک سال تین ماہ کی زیان کو امیر علی نے عنبزہ کی گود سے چھین لیا تھا۔ عنبزہ روئی، تڑپی، فریادیں کیں، واسطے دیے پر امیر علی کا دل ہمیشہ کے لیے پتھر ہوچکا تھا۔ اسے باپ کے گھر زبردستی بھیجنے کے ایک ہفتہ بعد اس نے عنبزہ پہ وہ ستم بھی توڑ ڈالا جس سے ہر شریف عورت ڈرتی ہے۔ امیر علی نے اسے طلاق دے دی تھی۔ عنبزہ نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اسے زیان مل جائے پر وہ کمزور عورت تھی، ساتھ قاسم صاحب کی اپروچ نہ ہونے کے برابر تھی۔ امیر علی بزور طاقت جیت گیا۔ طلاق کے ساتھ بدنامی و رسوائی اور بدکرداری کا طعنہ بھی امیر علی نے عنبزہ کی جھولی میں ڈالا تھا۔ ایک مرد ہونے کے ناطے اس نے وہ سب کیا تھا جو وہ کرسکتا تھا۔ وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی قصوروار تھی۔ اس پہ دنیا بھر کے جھوٹے الزامات تھوپ کر امیر علی سچا اور مظلوم بن گیا تھا۔ خاندان میں ہر کوئی اسے اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار تھا۔

حالانکہ عنبزہ نے اپنا گھر بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی وہ امیر علی کے پاؤں پہ اپنا سر تک رکھ کر دیکھ چکی تھی۔ پر وہ ماضی بھولنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ شادی کے بعد عنبزہ کا ملک ارسلان کے ساتھ کوئی رابطہ بھی نہیں تھا۔ اسے امیر علی نے معاف نہیں کیا تھا۔ کیونکہ خدا معاف کرتا ہے اور وہ انسان تھا عام سا انسان۔

☼ ☼ ☼

زیان نے احساس سے عاری، خالی دل خالی جذبوں کے ساتھ نکاح نامے پہ سائن کیے۔ نہناں اس کی پشت پہ کھڑی اس کے حنائی ہاتھوں میں تھامے سنہری پین کو دیکھ رہی تھی، جس سے زیان نے نکاح نامے پہ سائن کیے تھے۔ زیان کی پشت اس کی سمت تھی۔ نکاح کے لیے مولوی صاحب دیگر مردوں کے ہمراہ جن میں ملک جہانگیر، ملک ارسلان اور دونوں کے خاندان کے اور مرد تھے، زیان کے پاس آئے تھے۔ ایجاب و قبول اور نکاح کے بعد وہ جاچکے تھے۔ سب عورتیں عنبزہ کو مبارک باد دے رہی تھیں۔ نہناں وہاں کھڑی زیان کی پشت کو گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے لپک رہے تھے۔ زیان کی طرف نفرت سے اٹھی جھلستی نگاہیں معاذ کے دماغ پہ نقش ہوگئی تھیں۔ وہ اس کا دیکھنا، دیکھ چکا تھا۔ معاذ کے دماغ میں ایک لفظ گونجا تھا خطرہ۔ اس وقت بہت رش تھا، سب عورتیں زیان کو دیکھنے کے لیے ٹوٹی پڑی تھیں۔ معاذ کے پاس سوچنے کے لیے غور کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ملک ایبک کا بیڈ روم بہت شان دار تھا۔ پردے، فرنیچر، کارپٹ سے لے کر ڈیکوریشن پیسز اور جہازی سائز بیڈ تک ایک ایک چیز کمرے کے مکین کے ذوق کو سراہ رہی تھی، خواب آگیں فضا میں مدھر گیت کا ارتعاش تھرتھرا رہا تھا۔

یہ پربتوں کے دائرے، یہ شام کا دھواں
ایسے میں کیوں نہ چھیڑ دیں دلوں کی داستان

یہ روپ، یہ رنگ، یہ چبھن چمکتا چاند سا بدن
برا نہ مانو تم اگر تو چوم لوں کرن کرن

کہ آج حوصلوں میں ہیں بلا کی گرمیاں
یہ پربتوں کے دائرے' یہ شام کا دھواں

معاذ کچھ دیر پہلے زیان کے پاس آیا تھا' اسی نے میوزک سسٹم آن کیا تھا' یہ اسی کی شرارت تھی کہ وہی گیت بار بار ریوائنڈ ہو رہا تھا۔

ملک ایبک نے اندر قدم رکھا تو ہر شے بولتی محسوس ہوئی' یہاں تک کہ خاموشی بھی سرگوشیاں کر رہی تھی۔ زیان کا وجود قابل توجہ اور پرکشش تھا۔ زیان کی آنکھوں میں سرخی چھلک رہی تھی۔ جب وہ زیان کے قریب جاکر بیٹھا تو تب اس نے زیان کی آنکھوں کی لالی واضح طور پہ دیکھی۔ اس کی آنکھوں کے کنارے سوجے نظر آرہے تھے۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی زیان کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پہ دھرے تھے۔ ایبک نے ایک پل میں دل ہاتھوں سے نکلتا محسوس کیا۔ وہ اتنی حسین اور دل کش نظر آرہی تھی کہ ایبک کے حواس کی نبضیں سست پڑ گئی تھیں۔

آج سے پہلے جب بھی زیان سے ملاقات یا آمنا سامنا ہوا اور وہ "میں ہی میں ہوں۔" کی عملی تفسیر بنی ملی تھی' رسائی سے کوسوں دور' جس کو چھونے کا سوچنا بھی محال تھا۔ آج وہ اپنی تھی' ہمیشہ کے لیے اس کی ملکیت بن چکی تھی اور وہ احساس ملکیت کے نشے میں سرشار تھا۔ ملکیت کو عملی طور پہ ثابت کرنے کے لیے اس نے زیان کے گھٹنوں پہ دھرا اس کا ایک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھاما' شاید وہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ زیان اس کے پاس ہی ہے۔ خاموشی اور بھی کھل کر کلام کر رہی تھی۔ رنگ' خوشبو اور روشنی کا ایک مجسم وجود ایبک کے سامنے اس کی دسترس میں تھا۔

ایبک نے زیان کے پاس سے ایک تکیہ اٹھا کر اپنے کندھے کی طرف رکھا اور قدرے جھک کر نیم دراز ہو گیا۔ اب زیان کا چہرا اس کے بالکل سامنے اور قریب تھا۔ اس کے حنائی پاؤں ایبک کے دائیں بازو کو چھو رہے تھے۔ اس کے پاؤں میں سجی پائل تک کو وہ بڑی وضاحت سے دیکھ اور چھو سکتا تھا۔ آج ایبک کی نگاہوں کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ زیان نے ابھی تک اس سے نظر نہیں ملائی تھی پر وہ اس کے بہت قریب تھا۔ زیان کے دل کی دھک دھک' اسے اپنی سماعتوں کے قریب تر محسوس ہو رہی تھی۔ زیان کے نچلے ہونٹ کے کنارے کالا تل اس کے لبوں کی خفیف تھرتھراہٹ سے لرز رہا تھا۔ ایبک نے اچانک اپنی انگشت شہادت وہاں رکھی۔ انگلی کی پور تلے اس نے بھی وہ لرزاہٹ محسوس کی۔

"میں کہاں سے آغاز کروں کہ مجھے کب کہاں' کس وقت تم سے محبت ہوئی؟" ایبک کی نگاہ اس کے ایک ایک نقش کو چھو رہی تھی۔ وہاں شوق کا گرمئی جذبات کا ایک جہاں آباد تھا۔ زیان کی آنکھوں کی سرخی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ تب اس نے پہلی بار نگاہیں اٹھا کر ایبک کی طرف دیکھا۔

ایبک کی نگاہوں میں بڑی خوب صورت التجا میں اور گستاخ جذبے مچل رہے تھے۔ اس نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر زیان کی پلکوں کو چھوا تو اس کا ہاتھ پلکیں اور پورا وجود گویا بھونچال کی لپیٹ میں آگیا۔ ایبک نے کندھا اوپر کرتے ہوئے زیان کا بھاری آنچل اس کے سر سے کھسکایا وہ قدرے پیچھے ہٹی' لیکن آج وہ ہار ماننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ زیان کے لبوں سے پہلی چیخ نکلی اس کے بعد اس کے حلق سے نہ رکنے والی چیخوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات کے گہرے ہوتے سناٹے میں یہ آواز ایسی دلخراش تھی جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔ ملک محل کے مکین ایک ایک کرکے اس کا سبب معلوم کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔

ملک ایبک مضبوط اعصاب کا مالک اور بے مثال قوت برداشت رکھتا تھا' اس وقت اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔ زیان کے بالوں کے خوب صورت اسٹائل کا حشر ہو چکا تھا' بالوں میں سجے پھول' پتی پتی بکھر گئے تھے۔ لپ اسٹک پھیل کر لبوں کے کنارے سے باہر نکل رہی تھی۔ مسکارے اور آئی شیڈ اور دیگر میک اپ کا بھی یہی حال تھا جو بڑی مہارت اور نفاست سے کیا گیا تھا۔

دوپٹا سر سے اتر کر بیڈ کے نیچے جا پڑا تھا۔ اس کی وحشت زدہ لال لال آنکھیں بے قراری سے گردش کر رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے تک وہ دلہن کے خوب صورت ترین روپ میں تھی۔ مگر اب اس ہیبت کذائی میں وہ خون آشام چڑیل لگ رہی تھی۔

دوڑتے قدموں اور شور کی آوازیں اس کے کمرے کے دروازے تک آکر قدرے تھم گئی تھیں۔ دروازہ زوردار طریقے سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ اس اچانک لگنے والے شاک سے ایبک کے حواس ماؤف سے ہو رہے تھے۔ اس نے اسی کیفیت میں دروازہ کھولا۔ اس کے کھلنے کی دیر تھی' عورتوں کا ریلا اندر گھس آیا۔ عورتوں کے پیچھے ملک جہانگیر اور معاذ بھی تھے' پر وہ مصلحت کے تحت دروازے سے باہر ہی رک گئے تھے۔ پر جب اندر کا منظر ملاحظہ کیا تو وہ بھی داخل ہو گئے۔ زیان بے ہوش ہو کر بیڈ پہ عجیب سے انداز میں لڑھک گئی تھی۔ ہر کوئی ایبک سے پوچھ رہا تھا' کیا ہوا' کیا ہوا۔ وہ بولنے میں سخت دقت محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت لفظ اس کی گرفت سے بھاگ گئے تھے۔ زیان کی حالت ہی بتانے کے لیے کافی تھی۔ نوکرانی جا کر عنیزہ کو بھی بلا لائی تھی۔

"چھوٹی بی بی پہ جن کا اثر ہو گیا ہے' کل مغرب کے ٹائم' باغ میں پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھی تھیں اور ایسی ہی حالت تھی جیسی ابھی ہے۔ چھوٹی بی بی پہ جن عاشق ہو گیا ہے۔"

اس نے انکشاف کیا تو سب سر اس کی طرف گھوم گئے۔ واقعی زیبو کی بات قابل غور تھی۔ گاؤں دیہات میں حسین لڑکیوں پہ آسیب کا آجانا' جن کا عاشق ہو جانا کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔

ایبک ایک کونے میں بالکل خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ افشاں بیگم انتہائی پریشانی کے عالم میں بے سدھ پڑی زیان کو دیکھ رہی تھیں' جس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ عنیزہ رو رہی تھیں۔ انہیں تسلی دیتے ہوئے۔ زیان کو ہوش میں لانے کی تدابیر ناکام ہو رہی تھیں۔ عنیزہ کی پریشانی اب تشویش میں ڈھلنے لگی تھی۔ کسی رشتہ دار عورت نے زیان کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا مشورہ دیا۔

"تمہاری بہو کو ڈاکٹر کی نہیں کسی اللہ والے کی ضرورت ہے۔" ایبک کی رشتے کی خالہ نے جھٹ مشورہ رد کر دیا۔

"ہاں بھئی میری بیٹی کو دم درود کی ضرورت ہے۔" افشاں بیگم نے بھی تائید کی اور آنسو پونچھے۔ مشورہ دینے والی عورت اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

ایک بھانت بھانت کی بولیاں سن رہا تھا اور گاہے بگاہے بے سدھ پڑی زیان کو بھی دیکھ رہا تھا۔ وہاں عورتوں کا میلہ سا لگا ہوا تھا اور ان سب کا مشترکہ متفقہ خیال تھا کہ زیان پہ باغ میں جن عاشق ہو گیا ہے یا کسی ہوائی مخلوق کا اثر ہو گیا ہے۔

رنگ رنگ کی بولیاں سن کر عنیزہ پریشان ہو رہی تھیں۔ انہوں نے افشاں بیگم کو کمرے میں ہی الگ لے کر جا کر درخواست کی کہ سب عورتوں کو کمرے سے نکالا جائے۔ ویسے بھی کافی دیر گزر چکی تھی۔ افشاں بیگم کی نرمی سے کہی گئی بات کا اچھا اثر ہوا۔ عورتیں ایک ایک کر کے چلی گئیں۔ صرف اب نہناں' افشاں بیگم' عنیزہ اور ملک ایبک ہی وہاں تھے' ان سب افراد میں اگر کوئی خوش اور پرسکون تھا تو وہ صرف اور صرف نہناں تھی۔ زیان کی اس حالت کا جواز اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا' نہ ہی وہ کوئی تاویل خود کو دے پا رہی تھی' پر مڑی تڑی پڑی زیان اس کے دل کو مسرور کر رہی تھی۔

افشاں بیگم سب کی باتیں سن سن کر دہل گئی تھیں۔ زیان کی اس حالت کے بعد وہ ایبک کو کوئی نقصان پہنچتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اس کا فی الحال زیان سے دور رہنا ہی بہتر تھا۔

"ایبک پتر تم نیچے والے کمرے میں سو جاؤ۔" انہوں نے بیٹے سے نگاہیں ملائے بغیر کہا۔ کتنے ارمانوں سے وہ زیان کو دلہن بنا کر لائی تھیں۔ ایبک کی سب خوشیاں خاک میں مل گئی تھیں۔ وہ جیسے خود کو ذمہ دار سمجھ رہی تھیں۔ ایبک ان کی دلی کیفیت خوب اچھی

طرح سمجھ رہا تھا۔ اس لیے اس نے بنا کسی پس و پیش کے ان کی بات پہ سر تسلیم خم کر دیا۔ عنیزہ اور افشاں بیگم دونوں زیان کے پاس تھیں۔

ایبک کو کمرے سے باہر جاتا دیکھ کر نہناں نے آسودہ سانس لی۔ جلتے بلتے دل کو سکون مل گیا تھا۔ وہ دریا کے پاس رہ کر پیاسا لوٹ گیا تھا۔ اس تشنگی میں نہناں کی خوشی اور سکون مضمر تھا۔

☆ ☆ ☆

ولیمہ کی پوری تقریب کے دوران زیان بالکل نارمل رہی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا اس پہ جن آنے والا سنگین واقعہ رونما ہو چکا ہے۔ وہ شرمیلی مسکراہٹ، جھکی نگاہوں سمیت شادی سے پہلے والی زیان لگ رہی تھی۔ گزرے دو دن کا عکس تک اس کے چہرے پہ نہیں تھا۔ ولیمہ کی تقریب سے فارغ ہو کر شام سے پہلے پہلے سب مہمان رخصت ہو چکے تھے۔

افشاں بیگم نے نہناں کو مزید ایک دن اپنے پاس روک لیا تھا زیان کو وہی کندھوں سے تھام کر کمرے تک لائی۔ زیان آج پہلے سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی۔ ولیمہ کی دلہن کے روپ میں وہ معصوم و دلکش نظر آ رہی تھی۔ اس کی کمر کے پیچھے تکیے سیٹ کرتے ہوئے نہناں نے اس کے من موہنے روپ کو غور سے دیکھا۔ کل تو ایبک کے خوابوں کی تکمیل نہیں ہو پائی تھی۔ پر آج ایسا ہونا ممکن تھا۔ زیان بالکل ٹھیک نظر آ رہی تھی۔ ایبک اور زیان دونوں امنگوں بھرا دل رکھتے تھے، پھر قدرت نے انہیں ایک مضبوط شرعی رشتے میں باندھ دیا تھا۔ وہ خوابوں کی حسین رہگزر پہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے خوشی خوشی تمام عمر ساتھ چل سکتے تھے۔ نہناں کے دل میں دھڑ دھڑ بھانبھڑ جلنے لگے۔ اندر بیٹھا کوئی دہائیاں دے رہا تھا کہ ایبک تو میری تلاش کا حاصل تھا۔ امیدوں کا ثمر تھا۔ پھر زیان کیسے مالک بن بیٹھی۔

دن بھر کی بھاگ دوڑ اور ولیمہ کی مصروفیت نے ملک ایبک کو تھکا دیا تھا۔

وہ دور صوفے پہ بیٹھا تھا۔ سوفٹ ڈرنک سے بھرا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ پی رہا تھا۔ زیان بیڈ کراؤن سے کمر ٹکائے ٹانگیں سمیٹ کر بیٹھی تھی۔ شاہانہ جوڑے میں ملبوس وہ پہلے سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی، مگر ایبک نے جذبات کی لگام کو ڈھیلا نہیں پڑنے دیا۔ وہ صوفے سے اٹھا اور ہاتھ میں تھاما خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے ٹائٹ شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے اور آستین کہنیوں تک فولڈ کیں۔ رسٹ واچ اتار کر سائیڈ پہ رکھی۔ اب وہ سامنے کھڑا تھا۔ زیان چاہتی تو نظر اٹھا کر دیکھ سکتی تھی ان دونوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ ایبک نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ زیان کو اپنی طرف سے پیش قدمی کا تاثر دینا چاہ رہا تھا۔ اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

چند لمحے بعد وہاں سے اس کی ہذیانی چیخیں گونج رہی تھی۔ چیخیں تھی کہ صور اسرافیل تھا۔ اس بار افشاں بیگم کے ساتھ ملک جہانگیر بھی افتاں و خیزاں ایبک کے کمرے میں موجود تھے۔ زیان کی حالت بہت بری تھی۔ لمبے بال چہرے کے اطراف جھول رہے تھے اور وہ خود آنکھیں بند کیے جھوم رہی تھی جیسے اپنے حواس میں نہ ہو۔ وہ کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس کے حلق سے دبی دبی مردانہ آوازیں برآمد ہو رہی تھی۔

”نہیں چھوڑوں گا‘ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے پاس آیا تو بھسم کر دوں گا۔“ اشارہ یقیناً ایبک کی طرف تھا۔ ملک جہانگیر اور افشاں بیگم نہایت پریشانی اور حواس باختگی سے زیان کو دیکھ رہے تھے۔ خاص طور پہ افشاں بیگم کی حالت بہت پتلی ہو رہی تھی۔

”میری بہو پہ سچ مچ کا جن عاشق ہو گیا ہے ملک صاحب۔“ ان کا لہجہ مارے خوف کے کانپ رہا تھا۔

انہوں نے زیان پہ عاشق ہونے والے جن کی دھمکی سن کر ایبک کو کمرے سے باہر جانے کو کہا۔ کیونکہ زیان لال لال آنکھیں نکالے ایبک کو گھور رہی تھی۔ ایبک اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا تو وہ اسے بہلا کر باہر لے گئیں۔ بہو پہ تو جن عاشق ہو گیا تھا اب

بیٹے کی سلامتی بھی خطرے میں تھی۔ ایک بار پھر وہی صورت حال تھی۔ ذیان بے ہوش ہو چکی تھی۔ عنیزہ اور ملک ارسلان بھی افشاں بیگم کے بے وقت بلاوے پہ آچکے تھے۔ ذیان کی حالت دیکھ دیکھ کر عنیزہ رو رہی تھیں۔

"ذیان کی حالت تمہارے سامنے ہے، جن نے براہ راست دھمکی دی ہے تمہیں، میرے بچے۔ اس لیے تمہیں اس کے سامنے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" افشاں بیگم الگ سے جاکر ابیک کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ماں آخر ایسا کب تک ہوگا۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا اس کے ساتھ آمنا سامنا نہ ہو۔" اس بات پہ افشاں بیگم اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئیں۔ حالات نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا۔ نئی نویلی دلہن گھر میں لاتے ہی پریشانی نے منہ دیکھ لیا تھا۔ ابیک کو دیکھتیں تو دل مسوس کر رہ جاتیں، اس نے ازدواجی زندگی کی خوشی ہی نہیں پائی تھی، جن نے صاف بولا تھا "ذیان کے قریب آئے تو بھسم کر دوں گا۔"

"ذیان کو ایسے تو نہیں چھوڑیں گے نا۔ طاہرہ کہہ رہی تھی آپ کو سائیں بابا کے پاس لے جاؤں گی جن نکالنے کے ماہر ہیں۔" افشاں بیگم نے اپنی بہن کا نام لیا تو وہ دل میں محض افسوس ہی کر سکا۔

نہنال، عنیزہ بیگم کی طرف واپس آگئی تھی۔ نوکرانیاں دبی دبی آواز میں ذیان کے بارے میں بات کر رہی تھیں۔ نہنال دلچسپی سے سن رہی تھی، خود وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔

"بے چاری چھوٹی بی بی پہ جن آگیا ہے، اب ملک صاحب کی خیر نہیں ہے۔" فریدہ نے جھرجھری لی۔

"جن نے ملک صاحب کو تو کمرے کے اندر قدم بھی نہیں رکھنے دیا ہے۔" یہ زیبو تھی۔

"ہاں بے چارے چھوٹے ملک صاحب نیچے آگئے تھے۔" فریدہ کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"ہاں تو کیا کرتے پھر وہ۔ چھوٹی بی بی کی حالت ہی اتنی خراب ہو رہی تھی۔" زیبو کو بھی ملک ابیک سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

عنیزہ، ذیان کے پاس تھیں، جب کہ افشاں بیگم، اپنی بہن طاہرہ کے ساتھ جلالی بابا کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ دونوں گاڑی سے اتر کر آستانے کے چھوٹے گیٹ سے اندر داخل ہوئیں۔ انتارش اور ہجوم دیکھ کر دونوں مایوس ہو رہی تھیں۔ بالآخر ان کی پریشانی پہ جلالی بابا کے ایک مرید کو ترس آگیا۔ اس نے ایک پرچی پہ ان کے نام لکھ کر اندر بھجوائی۔

انہوں نے اپنا مسئلہ بتایا ہی نہیں تھا اور جلالی بابا جان گئے تھے، وہ روشن ضمیر تھے۔

"ہم کیا کریں اب؟" ڈرتے ڈرتے افشاں بیگم گویا ہوئیں۔

"دیکھو بی بی تمہارا مسئلہ بہت بڑا اور خطرناک ہے، آسانی سے حل ہونے والا نہیں ہے۔ تمہاری بہو خطرناک جن کے زیر اثر آگئی ہے۔ ہمیں پوری حقیقت سمجھنے کے لیے تمہارے گھر آنا پڑے گا۔"

جلالی بابا اپنی مخصوص رعب دار آواز میں بول رہے تھے۔ افشاں بیگم کے چہرے پہ اب پریشانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جلالی بابا بہت جلد "ملک محل" میں رونق افروز ہونے والے تھے۔ یعنی ان کی پریشانی کے خاتمے کے دن قریب آگئے تھے۔ دونوں خوشی خوشی واپس آئیں۔

عامل جلالی بابا اپنے ساز و سامان سمیت "ملک محل" تشریف لا چکے تھے۔

"کیا لینے آیا ہے تو اس لڑکی سے، بدبخت تیرا نام کیا ہے؟" اپنی گونج دار آواز میں جلالی بابا ذیان پہ عاشق ہونے والے جن سے مخاطب تھے۔ ذیان نے سرخ سرخ لال آنکھوں سے عامل جلالی بابا کو گھورا۔

"آتم توش نام ہے میرا۔ میں اس لڑکی سے محبت کرتا ہوں۔" ذیان کے لبوں سے مردانہ آواز برآمد ہوئی۔ یہ سو فیصد مردانہ آواز تھی، وہاں پہ موجود سب

افراد کو گویا سانپ سونگھ چکا تھا۔ صرف عامل جلالی بابا جن سے سوال جواب کر رہے تھے۔

"کیا لیتا ہے تجھے اس لڑکی سے؟"

"میں زیان سے محبت کرنے لگا ہوں۔ جب یہ باغ میں اکیلی بیٹھی رو رہی تھی، میں تب اس پہ عاشق ہوا۔ اب میں اس کے قریب کسی کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا۔ خاص طور پہ اس کے شوہر کی۔ یہ صرف میری ہے۔" زیان کے لبوں سے غصے بھری آواز بر آمد ہوئی۔ اس نے گردن موڑ کر ون سیٹر صوفے پہ بیٹھے ملک ایبک کو گھور کر دیکھا، جیسے کچا چبا جائے گی۔ ایبک اپنے اعصاب پہ قابو پائے برداشت کر رہا تھا۔ عامل جلالی بابا، زیان کے کمرے سے اٹھ کر نیچے آگئے تھے۔ ان کے چہرے پہ فکر و تردد کی گہری لکیریں نمایاں تھیں۔ ملک جہانگیر، افشاں بیگم اور ملک ایبک ان کے پاس تھے۔

"جن بہت طاقت ور اور شری ہے۔ آپ کی بہو کے علاج کے لیے بہت وقت اور صبر کی ضرورت ہے۔" جلالی بابا نے اپنے سامنے بیٹھے تینوں افراد کو باری باری دیکھا۔ اس جن سے نمٹنے کے لیے خاص عمل اور حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ میں ہفتے بعد پھر آؤں گا اور بتاؤں گا کہ علاج کیسے شروع کیا جائے۔ علاج کے دوران اور ابھی بھی لڑکی کے شوہر کو اس سے دور رہنا ہو گا، ورنہ آتم توش غصے میں آکر شدید قسم کا نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، جیسا کہ اس نے دھمکی بھی دی ہے۔" عامل جلالی بابا گونج دار آواز میں بول رہے تھے۔

ملک ایبک کے علاوہ سب ہی متاثر اور پریشان ہو گئے تھے۔ ایبک، اندرونی اور بیرونی دونوں طرح پرسکون تھا۔ وہ زیان کے اس علاج کے حق میں نہیں تھا۔ مخالفت کرتا تو افشاں بیگم کے ناراض ہونے کا سو فیصد امکان تھا۔ لہٰذا اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

☼ ☼ ☼

ایبک اور زیان کی شادی کے بعد نہناں نے سلائی کڑھائی کے مرکز میں پھر سے جانا شروع کر دیا تھا۔ گھر میں زیان کے حوالے سے جو پریشانی چل رہی تھی، وہ اپنی جگہ تھی۔ ایبک نے اس طرف سے دھیان ہٹا کر، اسکول والے پروجیکٹ پہ توجہ دینا شروع کر دی تھی۔ اس نے شادی کے بعد پہلی مرتبہ اسکول کی تیزی سے تعمیر کے مراحل طے کرتی عمارت کا جائزہ لیا۔ ٹھیکیدار اسے کام کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ ایبک اس کی کارکردگی سے مطمئن تھا۔ آدھ گھنٹہ گھوم پھر کر اطمینان کر لینے کے بعد وہ انڈسٹریل ہوم کی طرف آگیا۔ بہت دن بعد اس طرف آنا ہوا تھا۔ نہناں اسے دیکھتے ہی الرٹ ہو گئی۔ دل کی دھڑکنوں نے خوش گوار آلاپ الاپنا شروع کر دیا تھا۔ بہت دن کے بعد نہناں اسے اپنے سامنے، ایسے اکیلے دیکھ رہی تھی۔ ایبک کو سامنے پا کر وہ بے اختیار اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم!" ایبک نے دھیمے سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ آپ کیسے ہیں؟ بیٹھیے پلیز!" نہناں نے آداب میزبانی نبھائے۔ وہ دھیرے سے سر کو جنبش دیتا بیٹھ گیا۔

"کام کیسا چل رہا ہے، کوئی پریشانی تو نہیں ہے اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو لسٹ بنا کر بھجوا دیجیے گا۔" وہ اپنے مخصوص مہذب انداز میں گویا ہوا۔

"پریشانی تو نہیں ہے، البتہ کچھ مشینیں خراب ہو گئی ہیں، ساتھ کڑھائی کی ایک نئی مشین کی ضرورت ہے۔"

"آپ گھر جا کر مجھے ایک بار یاد کروا دیجیے گا۔ منشی شہر سے لے آئے گا۔"

"ایک بات پوچھوں، آپ برا تو نہیں مانیں گے۔" نہناں نے پہلی بار بولنے کی ہمت کی تھی۔ ایبک کرسی پہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ نہناں کے لہجے میں محسوس کی جانے والی جرات تھی۔

"جی مس نہناں پوچھیں۔"

"آپ بہت پریشان اور تھکے تھکے نظر آرہے ہیں، کیا وجہ ہے اس کی؟" نہناں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

"لگتا ہے میری بات آپ کو بری لگی ہے' معذرت چاہتی ہوں۔" ایبک کی طرف سے خاموشی طاری رہی تو اس نے دبے دبے انداز میں شرمندگی ظاہر کی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر۔" وہ تیزی سے گویا ہوئی۔

"میں حیران ہوا ہوں' کیونکہ آج سے پہلے آپ نے کبھی ایسی بات نہیں کی نا۔" نہناں دھیمے سروں میں ہنسی۔ ایبک ٹھٹک کر اسے تکنے لگا۔ آج تو وہ حیران کر دینے پہ تلی ہوئی تھی۔

"آپ کو میری بات بری نہیں لگی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اچھی لگی ہے۔" وہ بالکل عام سے انداز میں بولی۔ ایبک بے ساختہ ہنس پڑا۔ یہ سادہ اور بے ریا ہنسی تھی۔ نہناں سب کچھ بھلائے اس کی ہنسی کے سحر میں گم ہونے لگی تھی۔ یہ پہلا اتفاق تھا جو ایبک نے اس سے اتنی باتیں کی تھیں۔

"ہاں میں ڈسٹرب ہوں تھوڑا۔" وہ ہنستے ہنستے اچانک خاموش ہوا تو سارا سحر اچانک ٹوٹ گیا۔

"آپ زیان بی بی کی وجہ سے پریشان ہیں نا؟" وہ ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ہولے سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"آپ انہیں کسی ڈاکٹر کو دکھائیں نا۔" نہناں نے خلوص سے مشورہ دیا۔ پر یہ خلوص ایبک کے لیے تھا' زیان کے لیے ہرگز نہیں تھا۔

"آپ کی اس ہمدردی اور خلوص کا بے حد شکریہ۔" ایبک اس کی بات کے جواب میں گویا ہوا۔ اس نے ڈاکٹر کو دکھانے کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

"اچھا مس نہناں میں جا رہا ہوں' یہاں کسی قسم کی کوئی پرابلم ہو تو مجھے بتا دیا کریں۔" وہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دروازے کی طرف مڑا اور بے تلے باوقار قدموں سے چلتا اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ نہناں کھڑکی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ وہاں سے روانہ ہوا تو وہ کھڑکی سے ہٹی۔

☆ ☆ ☆

معاذ کی واپسی میں صرف کل کا دن تھا۔ وہ بجھے بجھے دل کے ساتھ تیاری میں مصروف تھا۔ ایبک بھائی کی شادی کا سارا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔ اس نے بھائی اور بھابھی کی شادی کے بعد سیر و تفریح' گھومنے پھرنے کے بہت سے پروگرام بنائے تھے۔ جو زیان بھابھی کے جن کی وجہ سے غارت ہو کر رہ گئے تھے۔ پورے ملک محل میں عجیب سا سناٹا تھا' لگتا ہی نہیں تھا کہ یہاں کسی کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ ملک جہانگیر اور افشاں بیگم زیان کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ گھر میں کام کرنے والی نوکرانیاں تک خوف زدہ تھیں۔ بات بھی سرگوشیوں میں کرتیں۔ معاذ الگ جھنجلایا ہوا تھا۔ اس نے کتنی بار مشورہ دیا کہ بھابھی کو کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھائیں' مگر اس کے مشورے پہ کسی نے بھی کان نہیں دھرا۔ اس کا دل کرتا زیان سے فرمائشیں کرے۔ لاڈ اٹھوائے' چھوٹے چھوٹے کام کروائے' اسے لے کر گھومنے پھرنے جائے۔

معاذ کو بہن کا بہت شوق تھا' وہ اکثر و بیشتر بڑے حسرت ناک انداز میں' اللہ سے بہن نہ ہونے کا شکوہ کرتا تھا۔ زیان کو دیکھتے ہی اس کے دل نے کہا کہ اس کی بہن کی کمی پوری ہو گئی ہے۔ وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسا اس کے ذہن میں بہن کا تصور تھا۔ بہت جلد دونوں آپس میں بے تکلف ہو گئے تھے۔ زیان اس کی باتوں پہ ہنستی' دلچسپی لیتی تو اسے بہت اچھا لگتا۔ ان دونوں یعنی زیان اور ایبک بھائی کی شادی پہ اس نے کیسی رونق لگائی' خوشی منائی۔ زیان رخصت ہو کر آئی تو معاذ نے اس کے بیڈ روم میں جا کر سب سے پہلے اس کا چہرہ دیکھا اور منہ دکھائی دی۔

اس کے شرارتی جملوں کی بوچھاڑ سے وہ نروس ہو رہی تھی' اپنی مسکراہٹ چھپا رہی تھی۔ معاذ نے کتنی ڈھیر ساری اس کی فوٹو بنائیں۔ سب ٹھیک تھا' وہ میوزک سسٹم آن کر کے وہاں سے باہر آیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑی دیر میں ہی خوشیوں بھرا ماحول پریشانی میں بدل

گیا تھا۔ معاذ نے بھی دیکھا۔ زیان بھابھی پہلے والی تو لگ ہی نہیں رہی تھی۔ نہ ہنستی' نہ بولتی' نہ اس کی شرارتوں پہ مسکراتی۔ اب تو اس کے جانے میں ایک دن باقی تھا۔ وہ بے حد اداس ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا ان کے گھر کو کسی کی نظر کھا گئی ہے۔

معاذ' زیان کے بیڈ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ افشاں بیگم بھی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ آئی تھیں' انہیں انجانا سا خوف تھا کہ شاید زیان' معاذ کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچادے۔ حالانکہ شادی کے بعد سے لے کر اب تک ایسا ہوا نہیں تھا' آتم توش نامی جن کا سب غصہ' غیض و غضب صرف اور صرف ایبک کے لیے ہی تھا۔ زیان بیڈ پہ بیٹھی تھی' چہرے پہ فکر کے سائے تھے' پر مجموعی طور پہ وہ بالکل ٹھیک نظر آرہی تھی۔

"او معاذ' کہاں غائب ہو اتنے دن سے؟" اسے دیکھتے ہی وہ بیڈ سے اتر آئی۔ چہرے پہ گزشتہ دنوں والی طاری وحشت کا نام و نشان تک نہ تھا۔

"بھابھی آپ کی طبیعت ہی ٹھیک نہیں تھی' پہلے دو تین بار آیا تو تھا' لیکن کھڑے کھڑے واپس ہو گیا۔" وہ معاذ سے تین ساڑھے تین سال چھوٹی تھی' پر وہ انتہائی احترام سے مخاطب کرتا تھا۔ زیان جواب میں دھیرے سے مسکرا دی' ایسی مسکراہٹ جس میں بے بسی کی آمیزش تھی۔ افشاں بیگم نے معاذ کو فہمائشی انداز میں دیکھا' جیسے کہہ رہی ہوں زیان کی طبیعت کے حوالے سے کوئی بات مت کرنا۔ وہ ان کی آنکھ کا اشارہ سمجھ گیا تھا۔

زیان اس سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ افشاں بیگم دیکھ دیکھ کر نہال ہو رہی تھیں۔ زیان بالکل نارمل اور ٹھیک ٹھاک نظر آرہی تھی' لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی پرانی والی زیان ہے۔ ایبک کو سامنے دیکھتے ہی جن بے قابو ہو جاتا' ویسے وہ ٹھیک ہی رہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

معاذ ساری رونقیں اپنے ساتھ سمیٹ کر لے گیا تھا۔ اس کی موجودگی سے اک تازگی اور زندگی کا احساس تھا۔ سارا دن وہ اودھم مچائے رکھتا' نت نئی شرارتیں کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ جب تک ملک محل میں رہا' نہناں اس کی موجودگی سے پریشان ہی رہی۔ بظاہر لاپروا اور شرارتی معاذ درحقیقت بہت حساس تھا۔ قدرت نے اس کو اپنی حساسیت کی بدولت خاص خوبی عطا کی تھی۔ وہ معمولی سے معمولی بات کو بھی فوراً" محسوس کرتا۔ چھوٹی چھوٹی تفصیلات اس کے علم میں آجاتیں۔ دوسرے جن کو نظر انداز کرتے' وہ ان کا جائزہ لیتا۔ اکثر ایسی باتیں وقوع پذیر ہوتیں جن کو وہ گہرائی میں جاکر محسوس کرتا۔ وہ اس بار ملک محل میں زیادہ عرصہ نہیں رہا تھا۔ پر نہناں کے بارے میں اس کی رائے اوروں سے مختلف تھی۔ ایبک بھائی کی شادی کے دوران اس نے دوبار نہناں کی نگاہوں کی چوری پکڑی تھی۔ ایک بار اپنے تئیں وہ سب سے چھپ کر زیان کو نفرت سے گھور رہی تھی' جبکہ ایبک بھائی کے لیے اس کے انداز کچھ اور تھے۔

جانے سے پہلے معاذ کا دل چاہا کہ وہ ایبک بھائی کو اپنے خیالات سے آگاہ کرے۔ پھر اس نے ارادہ بدل دیا۔ احمد سیال کے گھر میں پائی جانے والی ان کی بیٹی کی تصویریں اور نہناں کی ان کی بیٹی سے مشابہت بھی حیران کن تھی۔ وہ اس کا ذکر بھی ایبک سے کرنا بھول گیا تھا۔ نہناں کی شخصیت خاصی پراسرار اور شک و شبے کے دائرے میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد نہناں کم از کم خوش تھی۔ کیونکہ معاذ کی موجودگی اسے خائف ہی رکھتی تھی۔ ہر پل' ہر لحظ اسے دھڑکا لگا رہتا جیسے معاذ اس کے بارے میں جانتا ہو۔ جبکہ ملک محل میں آنے اور ملک ایبک کو دیکھنے کے بعد اس کی پوری کوشش تھی کہ اس کی شخصیت کا راز کسی پہ بھی عیاں نہ ہو۔

اس کا احساس زیاں ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اس کے لیے ملک ایبک کا رشتہ آیا تھا۔ وہ ہمیشہ پہلے نمبر پہ رہے گی۔ وہ خود کو بہلاتی۔ اسے ملک ایبک کو ہر صورت' ہر قیمت۔ حاصل کرنا تھا۔ وہ زیان سے شادی

کرکے بھی نامراد رہا تھا۔ پر اس کی نامرادی کی عمارت پہ ہی اپنا خوابوں کا محل تعمیر کرنا تھا۔ اس کی دعا تھی کہ وہ کبھی بھی زیان کے قریب نہ جا سکے۔ رنم کی حسیات ملک ایبک کے معاملے میں بہت شارپ تھیں۔ اسے پتا تھا وہ زیان کی وجہ سے بہت اداس اور اپ سیٹ ہے۔ اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا۔ کاش ایک دن ایسا آئے جب ملک ایبک اس کے لیے پریشان ہو۔ اس کے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی۔ کاش کوئی معجزہ رونما ہو اور ملک ایبک اس کا ہو جائے۔ دل میں شور مچاتے جذبوں پہ بند باندھنا اب اس کے لیے ممکن نہیں رہا تھا۔ ساری عمر اس نے من پسند چیزیں حاصل کی تھیں۔ اسے امید تھی ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہ اپنی من پسند مراد آسانی سے پالے گی۔ کسی طرح بھی اسے ملک ایبک کا مزاج آشنا ہونا تھا' اس کا قرب اور اعتبار حاصل کرنا تھا۔

وہ آج کل جن خطوط پہ سوچ رہی تھی' اس کی وجہ سے اس کا نہنال والا راز بہت جلدی افشا ہونے کا خطرہ تھا' کیونکہ اب اسے اپنے جذبات پہ قابو نہیں تھا۔ اس کا دل چاہتا ایبک سے روز ملاقات ہو' وہ اسے ڈھیروں باتیں کرے' پہروں تکتی رہے۔

ملک محل میں اور نہنال کے روپ میں اس کی خواہش پوری ہونا ناممکن تھا۔ اسے اپنی اصل شخصیت میں رنم کے روپ میں واپس آنا تھا۔ وہ رنم جو احمد سیال کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی۔ احمد سیال بزنس ٹائیکون دولت جن کے گھر کی لونڈی تھی۔ وہ اسی احمد سیال جیسے بااختیار شخص کی بیٹی تھی۔ احمد سیال' ملک جہانگیر کے گہرے دوست۔ زیان' ملک ایبک کی زندگی سے باہر ہو جاتی تو اسے ملک ایبک کی زندگی میں آنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا۔ وہ آسیب زدہ لڑکی کسی طرح بھی تو ملک ایبک کے قابل نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے وارڈ روب کھول کر اپنا نائٹ ڈریس نکالنا چاہا۔ مگر خالی الماری اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اسے شدید قسم کا غصہ آیا۔ حالانکہ افشاں بیگم نے اس کا ایک اور شب خوابی کا لباس دھو کر استری کروا کے رکھوا دیا تھا۔ وہ اسے آج کا واقعہ بتا چکی تھیں کہ زیان کے جن نے اس کے تمام کپڑے خراب کر دیے ہیں۔ وارڈ روب کھولتے ہوئے وہ تھوڑی دیر کے لیے یہ بات بھول ہی گیا تھا کہ عزت مآب آتم توش نے اس کے پہنے جانے والے کپڑوں اور دیگر استعمال کی چیزوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔ حیرت انگیز طور پر محترم جن نے زیان کی کسی بھی چیز کو کوئی ہلکا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ زیان کا بھاری عروسی سوٹ سلیقے سے تہ کیا ہوا سب سے اوپری خانے میں پڑا تھا۔ دیگر کپڑوں کا بھی یہ ہی حال تھا۔

زیان اپنے بیڈ روم میں آ کر بالکل پر سکون تھی۔

آزادی اور سرشاری کا انوکھا احساس ہوا تھا۔ وہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ یہاں قدم رکھ رہی تھی۔ اس لیے سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا یہ ویسی ہی خوشی تھی جیسی بیاہتا بیٹی کو شادی کے بعد پہلی بار میکے آکر ہوتی ہے۔ وہ لاکھ سب کی محبتوں سے منہ موڑتی، مگر دل میں پنپنے والے جذبوں سے دامن نہیں چھڑا سکتی تھی۔ تب ہی تو ملک ارسلان نے گھر آنے پہ میرا بچہ کہہ کر سر پہ ہاتھ پھیرا' ماتھا چوما اور فرط محبت سے اپنے ساتھ لگایا تو دل ہی دل میں کنڈلی مارے بیٹھی شرمندگی نے سر اٹھایا۔

پہلی بار بے ریا ہو کر اس نے ان سے باتیں کیں۔ اس کے دل میں کوئی کڑواہٹ نہیں تھی۔ ملک ارسلان سے تو اسے ویسے بھی کوئی شکایت نہیں تھی کوئی تھی بھی تو اس نے اندر ہی دل میں دفن کر دی تھی۔ کیونکہ ان کا سلوک اتنا اچھا اور محبت بھرا تھا کہ شکوے' شکایتیں خود بخود ختم ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اسے ایک بیٹی کی سی ہی اہمیت دیتے تھے۔ زیان خود ہی ان سے دور دور رہتی' لاکھ کوشش کے باوجود بھی زیان نے انہیں بحیثیت باپ خود سے بے تکلف ہونے کا موقع نہ دیا تھا۔

آج جب انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اسے رونا آنے لگا۔ اسے پھر امیر علی یاد آگئے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا' اسے امیر علی کے ساتھ جڑے غم یاد نہ آتے۔ ان غموں کے ساتھ اس کا تکلیف دہ ماضی وابستہ تھا۔ وہ ماضی جسے وہ بھول کر بھی بھول نہ پائی تھی۔ سر جھٹک کر زیان نے تکلیف دہ یادوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ موسم بہت شدت پہ مائل تھا' سخت گرمی اور حبس تھا۔ اس نے شب خوابی کا ہلکا پھلکا سا کاٹن کا لباس نکالا اور شاور لینے لگی۔

بال سلجھاتے ہوئے اس نے میوزک سسٹم آن کر دیا۔ گانے کے ساتھ ساتھ اس کے لب بھی ہل رہے تھے۔ وہ باہر آکر ٹیرس پہ پڑی کرسی پہ بیٹھ گئی۔ رات کے اس پہر ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ گرمی اور گھٹن کا احساس کچھ کم ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

ملک ایبک نہا کر بیڈ پہ لیٹا ہوا تھا۔ کمرے کے کھڑکیاں دروازے کھلے تھے اور لائٹیں آف تھیں۔ اچانک ہوا کے دوش پہ کچھ آوازیں اس کی سماعتوں پہ دستک دینے لگی۔ ایبک نے کروٹ بدلی تو نظر کھلے دروازے سے باہر سامنے والے ٹیرس کی طرف اٹھ گئی۔ زیان کرسی پہ بیٹھی میوزک سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ رات کے اس سناٹے میں آواز بخوبی ایبک کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ لگ ہی نہیں رہا تھا یہ وہی زیان ہے جس پہ آتم توش نامی جن عاشق ہے۔ وہ مکمل ہوش و حواس میں تھی' شب خوابی کے ہلکے سے لبادے میں رات کے اس پہر وہ ترشی ہوئی مورت لگ رہی تھی۔ کتنی قریب اور کتنی دور تھی وہ۔ بیوی ہوتے ہوئے بھی میلوں' صدیوں کے فاصلے تھے۔ ایبک کو اپنی انگلیوں کے پوروں تلے زیان کا لمس ابھی بھی تازہ اور آنچ دیتا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے اٹھ کر پوری قوت سے کمرے کا دروازہ اور سب کھڑکیاں بند کیں۔ یقیناً" زیان نے یہ آوازیں سنی تھیں' تب ہی تو اس نے مڑ کر اس طرف دیکھا تھا۔ کھلا دروازہ اور کھڑکیاں سب بند ہو چکے تھے۔ ایبک نے اے سی فل آن کر کے پہنی گئی ہلکی سی شرٹ اتار کر دور پھینک دی تھی۔ زیان اس ٹائم اس کے سامنے ہوتی تو جانے وہ کیا کر بیٹھتا.... شاید اس کا گلا ہی دبا دیتا۔

وہ زیان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ کچھ تو تھا جو اسے محسوس ہوا تھا۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے گویا اس خیال سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔

فاصلے کے معنی کا کیوں فریب کھاتے ہو؟
جتنے دور جاتے ہو' اتنے پاس آتے ہو

(آئندہ ماہ آخری قسط ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼